طلوع اسلام

November 1939

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی حیات اجتماعیہ کا ماہوار مجلہ

طلوعِ اسلام

دہلی

(دورِ جدید)

مرتب	بدل اشتراک	پانچ روپیہ سالانہ
محمد ظہیر الدین صدیقی ۔ بی ایس سی	ششماہی	تین روپے

جلد ۲ شمارہ ۷ | رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ مطابق نومبر ۱۹۳۹ء

فہرست مضامین

(۱) ہلالِ عید	حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ	۱
(۲) لمعات	ادارہ	۲-۸
(۳) بیادِ شہدائے بلند شہر	״	۹-۱۵
(۴) اردو	محمد اسد خان صاحب آسی ملتانی	۱۶
(۵) سلیم کے نام	چودھری غلام احمد صاحب پرویز	۱۷-۲۴
(۶) مسئلہ مسلمانانِ ہند	ڈاکٹر ظفر الحسن و ڈاکٹر محمد افضال حسین قادری	۲۵-۳۵
(۷) دارالاسلام کے تاثرات	چودھری غلام احمد صاحب پرویز	۳۶
(۸) تنقید و تبصرہ	ادارہ	۳۷
(۹) حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہ کا مکتوب گرامی		۳۸-۴۰
(۱۰) پیام مشرق	علامہ حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری	۴۱-۵۸
(۱۱) متحدہ قومیت	شمس العلماء مولانا عبدالرحمن صاحب	۵۹-۷۲
(۱۲) حقائق و عبر	ادارہ	۷۳-۸۲

ہلالِ عید

غرّۂ شوّال! اے نورِ نگاہِ روزہ دار!
آ! کہ تھے تیرے لیے مسلم سراپا انتظار

اوجِ گردوں سے ذرا دنیا کی بستی دیکھ لے!
اپنی رفعت سے ہمارے گھر کی پستی دیکھ لے!

قافلے دیکھ اور ان کی برق رفتاری بھی دیکھ
رہروِ درماندہ کی منزل سے بیزاری بھی دیکھ

دیکھ کر تجھ کو افق پر ہم لٹاتے تھے گہر
اے تہی ساغر! ہماری آج ناداری بھی دیکھ

فرقہ آرائی کی زنجیروں میں ہیں مسلم اسیر
اپنی آزادی بھی دیکھ، ان کی گرفتاری بھی دیکھ

دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ
بتکدے میں برہمن کی پختہ زنّاری بھی دیکھ

کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر
اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ

بارشِ سنگِ حوادث کا تماشائی بھی ہو
امتِ مرحوم کی آئینہ دیواری بھی دیکھ

ہاں، تملق پیشگی دیکھ آبرو والوں کی تو
اور جو بے آبرو تھے، ان کی خودداری بھی دیکھ

جس کو ہم نے آشنا لطفِ تکلم سے کیا
اس حریفِ بے زباں کی گرم گفتاری بھی دیکھ

صورتِ آئینہ سب کچھ دیکھ، اور خاموش رہ
شورشِ امروز میں محوِ سرودِ دوش رہ

اقبالؒ

لمعات

ہمیں ایک مُدّت سے بتایا جا رہا ہے۔ اور گاندھی جی نے ایک تازہ ترین بیان (ہندوستان ٹائمز مؤرخہ ۲۶ اکتوبر) میں پھر اِس امر کا اعادہ کیا ہے کہ ہندوستان میں "ہندو مُسلم" سوال بدیشی حکومت کا پیدا کردہ ہے، جب حکومت اپنی ہو جائیگی یہ مسئلہ خود بخود حل ہو جائیگا۔ اِسکے برعکس سوائے اِن چند مسلمانوں کے جو اپنوں سے کٹ کر دوسروں سے پیوند لگانے میں ہی تقاضائے مصلحت سمجھتے ہیں، ملت اسلامیہ کی طرف سے اِس حقیقت باہرہ کا بار بار اعادہ کیا جا رہا ہے کہ شروع میں یہ مسئلہ خواہ بدیشی حکومت نے اپنے استحکام کی غرض سے پیدا کیا ہو لیکن آج یہ سوال اسقدر سنگین صورت محض اسلیئے اختیار کر گیا ہے کہ ہندو اپنی تنگ ظرفی کی بنا پر ہندوستان میں خالصتاً ہندو راج قائم کرنا چاہتا ہے۔ اور ان کی مختلف جماعتوں کے طریقِ کار میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو منتہائے نگاہ ہر ایک کا یہی ہے، یہ خدشہ جیسا کہ کہا جاتا ہے مُسلمانوں کی بدظنی کا ہی نتیجہ نہیں بلکہ ہندو کی ذہنیت کے صحیح مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ جسپر گزشتہ دو تین برس کے واقعات نے مُہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ ہم نے اپنی سابقہ اشاعت میں لکھا تھا کہ جس شوریدہ بخت مسلمان کو ہندوؤں سے سابقہ پڑنے کا اتفاق ہوتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ ہندو کی "بنیا بدھی" اور ہزارہا سال کی غلامی کی وجہ سے بھچی ہوئی فطرت مسلمان کی نقصان رسانی میں اسے کس طرح جائز و ناجائز ہر حربہ استعمال کرنے پر بلا تامل آمادہ کر دیتی ہے۔ اس حقیقت کشائی کے سلسلہ میں ہمیں قارئین طلوع اسلام کی طرف سے بہت سے خطوط موصول ہوئے ہیں جن میں بیشتر حصہ اُن مسلمانوں کا ہے جنہیں بسلسلۂ ملازمت ہندوؤں کے پنجۂ استبداد کا تلخ تجربہ ہوتا ہے۔ ملک میں آئینی دستور کی تبدیلیوں کی وجہ سے سوائے چند اعلیٰ شعبہ ہائے حکومت کے ملازمتوں کا نظم و نسق قاطبۃً ہندوستانیوں کے اختیار میں آچکا ہے اور اس سلسلہ میں کہیں اِس ابلہ فریبی سے کام لینے کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ مسلمانوں کے حقوق کی پامالی میں انگریز کا ہاتھ ہے، نیچے سے

اوپر تک تمام افسر ہندو ہوتے ہیں اور انگریز کا ان معاملات میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس ہندو گردی میں جس بیداری سے مسلمانوں کو پیسا جاتا ہے، وہ صاف صاف اس حقیقت کی غمازی کرتی ہے کہ اگر تھوڑے سے اختیارات بھی ہندو کے ہاتھ میں آجائیں تو وہ مسلمان سے اس طرح سلوک کرتا ہے۔ گویا وہ اسکا ایک دیرینہ دشمن ہے۔ اور یہ اس سے باپ داوا کے وقت کے بدلے لے رہا ہے، یہ چیزیں قوموں کی ذہنیت پر موقوف ہوتی ہیں۔ اور صدیوں کی غلام قومیں اس قابل نہیں ہوجایا کرتیں کہ ان میں وہ وسعتِ قلب پیدا ہوجائے، جو حاکم قوم کے لیئے ناگزیر ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہندو کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ آزادی کسے کہتے ہیں، کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ گاندھی جی کی طرف سے بڑے سے بڑا مطالبہ جو حکومت برطانیہ کے حضور میں پیش کیا جا رہا ہے بیش از یں نیست کہ "ہندوستان کی آزادی ایک ایسے منشور کے مطابق ہو جسے ہندوستان کے منتخب نمائندے مرتب کریں"۔ (ہندوستان ٹائمز مورخہ ۹/۱۲/۳۹ ۲۶) ہندوستان کے منتخب نمائندے جن میں لامحالہ اکثریت ہندو کی ہوگی۔ ایک دستور مرتب کریں اور اس کی منظوری حکومتِ برطانیہ عطا کردے، یہ ہے سدرۃ المنتہیٰ مطالبہٴ آزادی کا۔

اسی چیز کے پیشِ نظر مسٹر جناح نے اگلے دنوں کہا تھا کہ ہندوستان میں جمہوری نظامِ حکومت اطمینان بخش ثابت نہیں ہو سکتا اسلیئے کہ نظامِ جمہوری کا تقاضا ہے کہ اکثریت کی آراء کے مطابق قوانین مرتب ہوں۔ اور اکثریت یہاں اس قوم کی ہے جو صرف اتنا جانتی ہے ؎

کہ عالمگیر ہندو کش تھا ظالم تھا ستمگر تھا

اسلیئے عالمگیر کے مفروضہ "مظالم" کا بدلہ موجودہ مسلمان سے لیا جائے۔ اسپر ہندو زعمائے قوم بہت نعل بر آتش ہوئے ہیں۔ اسلیئے کہ انکے ہندو راج کے منصوبے خاک میں ملجاتے ہیں، چنانچہ بڑے گرو کے چیلے یعنی پنڈت جواہرلال اپنی بمبئی کی تقریر (شائع کردہ اسٹیس میں مورخہ ۹/۱/۳۹ ۲۶) میں فرماتے ہیں کہ مسٹر جناح کے اس اصول کے مطابق تو ہندوستان میں یا تو فاشزم یا بالشوزم کی طرز حکومت ہونی چاہیئے یا غلامی کا استمراری پٹہ۔ لیکن پنڈت جی جو تھی چیز کو بھول گئے ہیں۔

اور وہی چیز اس الجھی ہوئی گتھی کا حل ہے یعنی مسلم انڈیا کی مکمل علیحدگی جسے پاکستان کی اسکیم کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں علیٰ حالہٖ جمہوری نظامِ حکومت فی الواقعہ ناقابلِ عمل ہے لیکن اس تقسیم کے بعد ہندوستان اور پاکستان میں یہی نظام نہ صرف قابلِ عمل بلکہ اطمینان بخش بھی ثابت ہو جائے گا۔ بالخصوص پاکستان میں۔ جہاں کی حکومت کے پیشِ نظر وہ ضابطۂ خداوندی ہوگا جسنے دُنیا کو اخوت ومساوات اور جمہوریت کا سبق سکھایا۔

یہ ہے اس مسئلہ کا واحد حل اور مسلمان اسکے بغیر کسی دستور و آئین پر رضامند نہیں ہوسکتے۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے دُرست فرمایا ہے "کہ موجودہ عالمگیر آشوب کا ایک فائدہ تو لفینی ہے، اور وہ یہ کہ اس نے مجبور کر دیا ہے کہ ہر شخص اور ہر جماعت بالکل بے نقاب سامنے آجائے۔" (اسٹیٹسمین ۲۱ جولائی)

ہندوستان میں سب سے بڑی نقاب پوش جماعت کانگریس کی تھی اور سب سے بڑی نقاب پوش ہستی گاندھی جی، جنگ کے سلسلہ میں یہ دونوں اس طرح بے نقاب ہوئے ہیں کہ انکے اصل خدوخال کو اندھوں نے بھی دیکھ لیا سوائے ان نیشنلسٹ مسلمانوں کے جنکا نُورِ بصیرت شاید ابدی طور پر سلب ہو چکا ہے۔ مثلاً ایک واقعہ کو لیجیے۔ گاندھی جی نے جنگ کے سلسلہ کے شروع میں امداد و تعاون کا غیر مشروط طور پر وعدہ کیا۔ کانگریس نے بھی یہی وعدہ چند شرائط کے ساتھ پیش کیا۔ مسلم لیگ نے بھی کچھ شرائط عائد کیں۔ جناب وائسرائے کا بیان کانگریس کی شرائط پر پُورا نہیں اُترا۔ اسلیئے کانگریس نے دستِ تعاون کھینچ لینے کی دھمکی دی۔ اور حکومت ہند کے بجائے حکومتِ برطانیہ کو اپنا قبلۂ مقصود قرار دے لیا۔ لیگ کے خیال میں وائسرائے کا بیان تھوڑی بہت تبدیلیوں کے ساتھ موجودہ صورت میں کچھ زیادہ قابلِ اعتراض نہ ٹھہرا۔ اسلیئے اسنے کانگریس کی قسم کی دھمکی ضروری خیال نہ کی۔

اب ظاہر ہے کہ جہاں تک امداد و تعاون کا تعلق ہے۔ کانگریس اور لیگ ایک ہی سطح پر ہیں فرق صرف "قیمت" ہے، کانگریس نے ابھی سودا چکایا نہیں بلکہ نرخ بڑھانے کی فکر ہو رہی ہے لیگ نے مزید "تکرار" مناسب نہیں سمجھی۔ لیکن ہمارے نیشنلسٹ مسلمانوں کا طرزِ عمل ملاحظہ فرمایئے کہ ان میں سے

ہرایک لیگ کو ٹوڈی، انگریز پرست ہرکاری کاسہ لیس، آزادی کی دشمن اور پتہ نہیں کیا کیا کہہ رہا ہے۔ اور کانگریس اسکے مقابلے میں ویسی کی ویسی جمعیت احرار۔ آزادی کی پرستار۔ انگریز کی دشمن، برطانیہ کی مخالف قرار دی جارہی ہے۔ لیگ کے فیصلہ کے متعلق ہمارے خیالات کچھ ہی ہوں لیکن کیا نیشنلزم کا یہی تقاضا ہے کہ اپنی جماعت کی برتری اور افضلیت کا وقت بے وقت ڈھول پیٹا جائے۔ انصاف بھی تو کوئی شے ہے۔

ضروری تھا کہ مسلمان اس دورِ ابتلا میں اجتماع و ائتلاف پیدا کرکے ایک "بنیان مرصوص" ہوتے لیکن ملتِ اسلامیہ کی شوریدہ بختی کہ ہمارے بعض کج نہاد افراد۔ ملت کے سوادِ اعظم سے کنارہ کشی کرکے اغیار کی نازبرداری کو اپنا منتہائے سعادت سمجھے بیٹھے ہیں۔ کانگریس کے بڑے بڑے زعماء تو مسلم لیگ کی اہمیت و برتری کا کھلے الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں لیکن آل انڈیا شیعہ کانفرنس نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ موجودہ جدوجہد میں کانگرس کے جھنڈے تلے لڑینگے۔ اسی طرح مولانا حبیب الرحمٰن احرار لیڈر نے بیان کیا ہے کہ وہ کانگریس کے شانہ بشانہ رہیں گے۔ یہ وہی شیعہ و احرار ہیں کہ خاکِ لکھنؤ کا ذرہ ذرہ جنکے باہمی سرپھٹول کا شاہد ہے۔ ساری ملتِ اسلامیہ ان کی منتیں کرتی رہی کہ تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم آؤ اس وحدتِ ایمان کی خاطر ہی باھمدگر ملجاؤ جو تمام روئے زمین کے مسلمانوں میں قدرِ مشترک ہے لیکن انھوں نے ایک نہ مانی۔ بالآخر اب ملے تو کہاں جاکر۔ سچ فرمایا ہے حضرت علامہؒ نے ؎

برہمن گفت برخیز از درِ غیر
زیارانِ وطن ناید بجز خیر
بیک مسجد دو ملا می نگنجد
زافسون بتاں گنجد بیک دیر

یادش بخیر! مولانا حسرت موہانی صاحب نے حال ہی میں لندن میں اپنی تقریر کے دوران میں فرمایا ہے کہ :-

اگر ملک میں سیاسیات کی بنا پر پارٹیاں مرتب کی جائیں تو یہ چیز ملک کی فلاح و بہبود کے لیے مفید ہوگی "۔ (اسٹیٹس مین۔ مورخہ 1/9 ۲۷)

جیسا کہ ہم نے اپنی کسی سابقہ اشاعت میں لکھا تھا۔ ہمیں مولانا صاحب کے جوشِ عمل اور خلوص نیت کا ہمیشہ سے اعتراف رہا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ کسی شخص کے سیاسی مُدبّر ہونے کے لیے ان چیزوں کے ساتھ ساتھ اصابت رائے کا ہونا بھی ضروری ہے۔ جوشِ عمل کے ساتھ ایک شخص عمدہ سپاہی بن سکتا بشرطیکہ اس میں اطاعت کا جذبہ بھی ہو، "رہنمایانِ ملت" کی اپنے صحیح مقام سے ناواقفیت قوم کے لیے وبالِ جان ہو جاتی ہے ۔

جب کسی شخص کے پاس استدلال کی کمی ہو تو وہ اپنے ما فی الضمیر کو لفظی گورکھ دھندوں میں الجھاتا ہے۔ اور اس طرح بظاہر دوسروں کو لیکن درحقیقت اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے۔ اس حقیقت کا اب بڑے بڑے کانگریسی بھی اعتراف کر چکے ہیں کہ کانگرس تمام اہل ہند کی نمائندہ نہیں ہے یہاں تک کہ گاندھی جی کے الفاظ میں "ملک میں کانگریس کے مخالفین کی اکثریت ہے، اور اسکے موافقین اقلیت میں ہیں"۔ (ہندوستان ٹائمز 1/9 ۲۸) ظاہر ہے کہ پنڈت جواہر لال بھی اس حقیقت سے ناآشنا نہیں لیکن ملاحظہ فرمایئے، کہ وہ کانگریس کے دعوے نمائندگی کو کن الفاظ میں پیش کرتے ہیں فرماتے ہیں

"کانگریس نے کبھی یہ دعوے نہیں کیا کہ وہ تمام ملک کی نمائندہ ہے، وہ تو صرف قوم کی ترجمانی کا دعوے کرتی ہے"، (اسٹیٹس مین 1/9 ۲۸)

حقیقت کا اعتراف ضمیر کی آواز ہے۔ اور مصلحت کوشی دماغ کا تقاضا۔ ان دونوں کی کش مکش میں پنڈت جی کے "افکارِ عالیہ" جس بوکھلاہٹ کی غمازی کر رہے ہیں اسکے متعلق اسکے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ ؎

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی !

کانگریس اور انگریز کی موجودہ آویزش بڑی دلچسپ کروٹیں لے رہی ہے۔ انگریز خوب سمجھتا ہے کہ ہندو اپنی حریت پروری کے بلند آہنگ دعاوی کے باوجود ایک سیکنڈ کے لیے بھی گوارا نہیں کر سکتا۔ کہ انگریز ہندوستان کو چھوڑ کر چلا جائے۔ چنانچہ گزشتہ دنوں گاندھی جی نے اِس حقیقت کا کھلے کھلے الفاظ میں اقرار بھی کر لیا۔ جب انگریز کے سامنے یہ حقیقت یوں عُریاں ہو گئی تو ظاہر ہے کہ وہ کانگریس کی دھمکی کو کیا وقعت دے سکتا ہے، چنانچہ سر سموئیل ہور نے دارالعوام میں کہا اور برملا کہا کہ کانگریس اس سے زیادہ اور کیا کرے گی کہ ہم سے عدم تعاون کرے۔ وہ ایسا کرنا چاہتی ہے تو ایک بار چھوڑ ہزار مرتبہ ایسا کرے۔

"حضور ملک معظم کی حکومت تو بہر حال چلے گی۔ اور قابلیت۔ انصاف اور طاقت کے زور سے چلے گی"۔ (اسٹیٹس مین ۱/۳۰، ۲۷)

ظاہر ہے کہ کانگریس کی دھمکی کے جواب میں انگریز کا یہ کھلا ہوا چیلنج ہے۔ اب گاندھی جی کے اوسان خطا ہوئے کہ ارے! یہ کیا ہو گیا؟ ہم نے تو کچھ اور ہی سوچا تھا۔ لیکن گاندھی جی کو ایسے مواقع پر کچھ مشکل پیش نہیں آیا کرتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ:۔

"میں نے سر سموئیل ہور کی تقریر کو پوری توجہ سے پڑھا جس کی وہ مستحق تھی۔ میں سر سموئیل ہور کے مصالحانہ انداز کو سراہے بغیر نہیں رہ سکتا"۔ (اسٹیٹس مین ۱/۳۰، ۲۸)

واہ رے انگریز!

کتنے شیریں ہیں ترے لب کہ رقیب!
گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا۔

ہندو اور انگریز کی اس کش مکش کا نتیجہ کیا ہو گا۔ یہ کسی ایسے شخص سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا جو جانتا ہے کہ بنیوں کے جھگڑے کا انجام کیا ہوا کرتا ہے۔ کچھ بھی ہو ایک چیز واضح ہے۔ بعد میں آنے والا مورخ جب اس تمام قضیہ پر غیر جانبدارانہ نگاہ ڈالے گا تو وہ یقیناً اِس حقیقت کا اعتراف

کرے گا کہ مسٹر جناح نے باوجود بالکل بے دست وپا ہونے کے جس حسنِ تدبر، پامردی اور بلند نگہی کا ثبوت دیا ہے، وہ کچھ اسی کا حصہ تھا۔ اے کاش! آج حضرت علامہؒ زندہ ہوتے تو بتاتے کہ قرآن کی روسے اس مسئلہ کا حل کیا ہو سکتا ہے، یا کم از کم پنجاب میں آج کوئی اور ہی کام کا آدمی ہوتا تو حالات اس سے بالکل مختلف ہوتے۔ بہرکیف اس دورِ قحط الرجال میں جناح کی ہستی فی الواقعہ مغتنمات میں سے ثابت ہوئی ہے ؎

ہندوستان کے مسلمان موت وحیات کی جس کشمکش میں آج گرفتار ہیں۔ اس سے بیشتر قوم پر ایسا وقت شاید ہی کبھی آیا ہو لیکن قوم کے "دماغ" جس قسم کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف کار ہیں اسکا اندازہ ان مضامین سے لگ سکتا ہے جو ہمارے ملّی مجلات میں عام طور پر شائع ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک بہت بڑے اسلامی ماہنامہ کے اکتوبر کے پرچہ میں جو مضامین چھپے ہیں، اُنکے عنوانات حسب ذیل ہیں :-

(۱) بغداد کی وجہ تسمیہ (قریب ۲۴ صفحے)

(۲) "فتوح السلاطین" قسط سوم (قریب ۲۰ صفحے)

(۳) حافظ امان اللہ بنارسی اور ان کی مسجد خانقاہ اور مزار کے کتبے

(۴) "تلخیص وتبصرہ ——— سگمنڈ فرائڈ۔ خوف اور بچے۔

(۵) اخبار علمیہ ——— { دمشق کے علمی ادارے ـــ جیکب فرائڈ نتھل کی صد سالہ سالگرہ
دنیا کا سب سے بڑا موتی }

قیاس کن زگلستان من بہار مرا.

بیادِ شہدائے بلند شہر

سرِ مزارِ شہیداں یکے عناں درکش | کہ بے زبانیٔ ما حرفِ گفتنی دارد
نشانِ راہ زعقل ہزار حیلہ مپرس | بیا کہ عشق کمالے زیک فنی دارد

(اقبالؒ)

غلام آبادِ ہندوستان اپنے آقایانِ نعمت کے مقدرات کے ستاروں کی گردش میں کچھ اسدرجہ محوِ تماشہ ہے کہ اُسے خبر ہی نہیں کہ خود اُسکے اپنے گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ اِسی انہماکِ فکر و نظر کا نتیجہ ہے کہ گزشتہ ایّام خود اِس سرزمین پر جو حادثاتِ ہائلہ اور واقعاتِ فاجعہ رونما ہوئے۔ بہت کم تڑپنے والے دل اسپر تڑپے اور بہت تھوڑی رونے والی آنکھوں نے اُسپر اشکِ خونیں بہائے۔ ورنہ اگر انکی توجہات کا نقطۂ ماسکہ سات سمندر پار کی تماشا گاہ نہ ہوتا تو ہو نہیں سکتا تھا کہ ہندوستان کا مُسلمان سرزمین **بلند شہر** کا قیامت خیز سانحۂ ہوش رُبا دیکھتا۔ اور محشر سے پہلے ایک محشر بپا نہ کر دیتا۔ اگر یہ سچ ہے۔ اور اسکے سچ ہونے میں کِس کو مجالِ انکار ہے کہ تمام روئے زمین کے مسلمان ایک جسدِ واحد کی طرح ہیں کہ اگر پاؤں کے انگوٹھے میں کانٹا چبھ جائے تو آنکھ کے آبگینے میں آنسو چھلک آئیں۔ اور اگر یہ حقیقت ہے۔ اور اِسکے حقیقت ہونے میں کِس کو کلام ہے۔ کہ مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں کسی حبشی کی آنکھ میں درد ہو تو گنگدۂ ایران کے قصرِ بلند میں اطلس و حریر کے بستر پر استراحت فرمانے والے شاہنشاہ کی نیند حرام ہو جائے تو سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ آج ہندوستان کے نوکروڑ مُسلمان۔ ہاں وہی مسلمان جو اشداء علے الکفار۔ رحماء بینہم کی خصوصیتِ ازلی کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ کِس طرح آرام کی نیند سو سکتے ہیں۔ اور اطمینان کا سانس لے سکتے ہیں۔ حیرت ہے کہ جس باپ کے سامنے جوان بیٹے کی لاش تڑپ رہی ہو۔ جس سیاہ روز نوجوان کا بھائی

اسکے سامنے آغشتۂ خاک و خون ہو جس ماں کا لال آنکھوں کے سامنے خونچکاں کفن میں لپٹا ہوا ہو۔ جس بہن کی منتوں کا محور بہرے کی جگہ خون سے رنگین بدھیوں کو سر سے لپٹے سپردِ خاک ہو رہا ہو۔ اس باپ اور اس بھائی۔ اس ماں اور اس بہن کو کھانے کی بھی سوجھے۔ اور سونے کی بھی۔ جب تک انسان کے سینے میں دل اور دل میں خون کا آخری قطرہ بھی رقصاں ہے ایسا ہونا ناممکن ہے لیکن اس کا کیا جواب کہ بدنصیب ہندوستان کے شوریدہ بخت مسلمانوں نے اس ناممکن کو ممکن بنا کر دکھا دیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اسلئے کہ سمجھا یہ گیا کہ یہ موت صرف انہی کی موت ہے جو مر گئے۔ یہ غم صرف انہی کا غم ہے جنکے ساتھ اُنکے گوشت اور خون کا رشتہ تھا۔ ہاں! ایسا سمجھا گیا۔ اور اسکے بعد عملاً دکھا دیا گیا کہ ہم ایسا ہی سمجھتے ہیں، جب حالت یہ ہو چکی ہو تو اے خاکِ عرب میں سونے والے!

اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے!

ہندوستان کا مسلمان اس غم میں گھل رہا ہے کہ نازی ازم اور فاشزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب بلا انگیز کو کس طرح روکا جائے۔ لیکن نہیں سوچتا کہ خود ہندوستان میں اسکا اپنا وجود موت و حیات کی جس کشمکش میں گرفتار ہے۔ اسکا کیا علاج ہے؟ یورپ کی قوتوں میں ایک باطل قوت دوسری باطل قوت سے آمادۂ ستیز ہے۔ لیکن یہاں تو یہ حالت ہے کہ کفر و ضلالت کی متحدہ قوتیں۔ حق و انصاف کے ضابطۂ خداوندی کی حامل اُمت کے خلاف اپنی پوری قہرمانی اور فتنہ سامانی کے ساتھ محض اس جُرم کی پاداش میں برسرِ پیکار ہیں کہ یہ اپنا رشتۂ ایمان دامنِ محمد عربی سے کیوں وابستہ کیئے ہوئے ہیں۔ اس سے پیشتر حق و باطل کی یہ جنگ آئین و دستور کی حدود میں معیشت اور معاشی اور اقتصادی گوشوں میں محصور تھی۔ لیکن وہ ہندو جس کو ایک ہزار سال تک اسلام نے اپنی رحمتِ تمام کے خزانوں سے مالا مال کیا جسکو عزت و آبرو کی زندگی کا گُر سکھایا جسے انسان کہلانے کا راز بتایا۔ آج انتہائی خیرہ چشمی سے ان تمام احسانات کو بھولکر اپنی پندرہ سو سالہ تیرہ بختیوں۔ ذلتوں۔ اور ناکامیوں کا انتقام مسلمان اور صرف مسلمان سے لینے پر تُلا ہوا ہے۔ اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ جب تک پہلو کا یہ کانٹا نہ نکالا جائے کسی عنوان کل نہیں پڑ سکتی۔ لہٰذا اُن کی نگاہ میں سب سے زیادہ کھٹکنے والی چیز

خاکساروں کی وہ تنظیم تھی جو اپنے پہلو میں عسکری نظام اور سپاہیانہ زندگی کا پروگرام لیے ہوئے ہے۔ اس لیئے اِن نقاب پوش بھیڑیوں اور دشنہ در آستیں اَبلہ فریبوں کے مکر و دجل کے ترکش میں چھپے ہوئے تیروں اور فریب و حیل کے نیام میں لپٹی ہوئی شمشیروں کی احول چشمانہ نگاہیں رہ رہ کر اس تنظیم کے علمبرداروں کی طرف اٹھتی تھیں۔ اور اس تحریک کے استہلاک کی آرزوئیں انکے بھیجے ہوئے سینے میں مچلتی تھیں۔ یہ مشئوم آرزوئیں کبھی حکومتِ سرحد اور سندھ کے حرم نما تبکدوں سے آئین و دستور کا قشقہ لگا کر انجمن آرا ہوئیں۔ اور کبھی زنار بدوش کلید برداران جنت و جہنم کی کفر ساز ٹکسالوں سے فتاویٰ تکفیر کے دراہم کا سکہ کی صورت میں بازارِ بیع و شریٰ میں جلوہ ریز ہوئیں۔ انہی ٹکسالوں سے جہاں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید علیہ الرحمۃ کی تحریک مقدس کے کچلنے کے فتاویٰ صادر ہوئے تھے لیکن اُنکے یہ ارادے ہر مقام پر خاسر و نامراد رہے۔ اور اس تحریک کے وابستگان نے اپنے یقین محکم اور عمل پیہم سے ثابت کر دیا کہ :۔

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

چاروں طرف سے تھک تھکا کر ہر سمت سے زک اٹھا کر بالاخر وہ آخری حربہ استعمال کیا گیا جو ہر اس طاغوتی حکومت کا عروۃ الوثقیٰ ہوتا ہے جسکے دماغ کی نمرودیت کسی تیشۂ ابراہیمی کی متلاشی اور جسکے قلب کی فرعونیت کسی ضربِ کلیمی کی دست نگر ہوتی ہے۔ یوپی اسکا محاذ قرار دیا گیا۔ اور آمادۂ درندگی بھیڑیے اور ندی کے نچلے حصے میں پانی پینے والے بزغالہ" کے مشہور قصے کے مطابق فرضی جرائم کی فہرست مرتب کر کے امن و سلامتی کے ان پیامبروں اور نشۂ خدمت خلق کے اِن متوالوں کو اپنی وحشت انگیز سبعیت و خوفناک بربریت کا شکار بنانا شروع کر دیا۔ امتناعی احکامات۔ بات بات پر دارو گیر کا نظام۔ لفظ لفظ پر گرفت و مواخذہ۔ افسانوی واقعات اور ڈرامائی مقدمات کی ننگِ انسانیت حرکات قید و بند کی عقوبات۔ فوج اور پولیس کے وحشی سپاہیوں کا شرمناک سلوک۔ لاٹھیوں کی بوچھاڑ۔ سنگینوں کی بھرمار۔ غرضیکہ کوئی نازیبا سلوک نہ تھا جو انکے ساتھ روا نہ رکھا گیا ہو اور کوئی بدترین عذاب نہ تھا جو ان پر مسلط نہ کیا گیا ہو اُن بے گناہ مظلوموں کی الم انگیز حالت پر زمین تھرتھراتی تھی

آسمان کانپتا تھا۔ ملاءِ اعلےٰ کے فرشتے ان کی مظلومیت پر مقدس آنسو بہاتے تھے۔ اور دوسری طرف ابلیس ان پیکرانِ ظلم و استبداد کی اس بیدادگری کو اپنی فتح و کامرانی سمجھ کر مسرت کے قہقہے لگاتا تھا لیکن بایں ہمہ ابھی جور و تظلم کی انتہا نہیں ہوئی تھی۔ ابھی ظالم کی کشتی اس حد تک بھرپور نہیں ہوئی تھی جہاں پہونچکر وہ ڈوبا کرتی ہے۔ اسکے لیے کچھ بے گناہوں کے خونِ ناحق کی ضرورت تھی۔ طاغوتی قوتوں کے ترکش کا یہ آخری تیر ۸ اکتوبر کو بلند شہر میں استبداد کے چلّہ پر چڑھایا گیا۔ حق و انصاف کی آنکھیں پھوڑی گئیں۔ شرم و غیرت کے کانوں میں تکبّر و رعونت کی روئی ٹھونسی گئی۔ ملامت کرنے والی ضمیر کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ اور یوں انسانیت کی تمام خصوصیات سے عاری ہوکر۔ نہتے بے گناہ قیدیوں کے سینے کو گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ اور یو۔پی کی کانگرسی حکومت نے آگ اور خون کی اس ہولی سے دونوں عالم میں اپنی روسیاہی کا سامان فراہم کرلیا۔

یہ سب کچھ اس سرزمین میں ہوا جہاں ۹ کروڑ فرزندانِ توحید بستے ہیں مسلمانو! سوچو کہ تمہاری غیرت و حمیت کہاں ڈوب گئی؟ تمہارے سینے کا تلاطم کس کی بھینٹ چڑھ گیا؟ تمہاری رگوں میں دوڑنے والے خون کو کس کی نظر کھا گئی؟ یہ سب کچھ تمہارے سامنے ہوا اور تم تماشا دیکھتے رہے۔ چھوڑو دردِ اسلام کو کہ اُسے کن اُجڑے ہوئے کاشانوں میں تلاش کیا جائے لیکن انسانیت کا تقاضا بھی تو کوئی شئے ہے! تمہاری آنکھوں کے سامنے ان بے گناہ انسانوں کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر دیا گیا۔ اور تمہاری سرمژگاں ایک قطرۂ اشک تک نہ چمکا۔ یاد رکھو! یہ محض یو۔پی گورنمنٹ کی ملعون حرکت نہیں ہے، بلکہ یہ ایک گوشہ ہے اس منظم سازش کا جو ہندوستان سے ملتِ اسلامیہ کے استیصال و استہلاک کے لیے ہر ہندو کے دماغ میں پرورش پا رہی ہے۔ تمہارا فرض تھا کہ تم اس کی تہ تک پہونچتے اور اپنے تمام اختلافات مٹا کر سوچتے کہ تمہیں اپنی زندگی کے تحفظ و بقا کے لیے کیا کرنا ہے! لیکن تمہیں اپنے جھگڑوں سے فرصت کہاں کہ ان باتوں کی طرف توجہ دے سکو۔

خاکسار شہیدو!

تم نے اپنے مقدس خون کے گراں بہا قطرات سے دینِ محمد عربی کی آبرو رکھ لی

اس دین کا خدا دونوں عالم میں روشنی کے درخشندہ میناروں کی طرح تمہاری آبرو قائم رکھے گا۔

فخرِ ملّت جانبازو!

تم نے اپنے ایمان وعمل کی استواری سے اِس حقیقت کو بے نقاب کر دیا کہ اگرچہ مسلمانوں کی قوم مٹ چکی ہے۔ لُٹ چکی ہے، اس کی عظمت وشوکت کے خزانے تاخت وتاراج ہو چکے ہیں۔ اسکے اقبال ظفر مندی کی شمع گُل ہو چکی ہے۔ لیکن اس کی خاکستر میں ابھی وہ چنگاریاں سو رہی ہیں۔ جو غیرتِ ایمان کے ایک ہی جھونکے سے شعلۂ جوّالہ بن جانے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ تم نے اپنی بے پناہ قربانی سے نشیمن استبداد کے تنکے تنکے پر واضح کر دیا کہ اِس برسے ہوئے بادل میں ابھی ہزاروں بجلیاں بے قرار ہیں۔

قوم کے سرفروش سپاہیو!

باطل کی قوتیں بزعم خویش سمجھتی ہیں کہ انھوں نے تمہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ لیکن حقیقت بیں نگاہیں دیکھتی ہیں کہ تم نے جامِ شہادت سے سرفراز ہو کر ابدی زندگی حاصل کر لی اور باطل کی ان طاغوتی قوتوں کو صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لیے نیست ونابود کرنے کا سامان پیدا کر دیا اِن کی بقایا زندگی موت سے بدتر اور ان کی موت ذلتوں اور رُسوائیوں کا پیش خیمہ ہوگی یہ فطرت کا اٹل قانون ہے جسے تم نے اپنے خون کی رنگینی سے صفحۂ عالم پر ثبت کر دیا ہے کہ

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اور اے پسِ ماندگانِ شہدائے بلند شہر!

تم یہ مت سمجھو کہ یہ غم۔ اگر اسے تم غم کہنا چاہتے ہو۔ تنہا تمہارا غم ہے۔ اِس غم میں ملتِ اسلامیہ کا ہر وہ فرد تمہارا شریکِ حال ہے۔ جس کے دل میں ایمان کی ذرا سی بھی تپش موجود ہے۔ سچ پوچھو تو یہ مقامِ غم والم نہیں۔ جائے مسرت وشادمانی ہے۔ مرنا اوّل وآخر ہر

ایک کوہے۔لیکن خوشا بخت وہ سعادتمند جس کی موت پر ہزاروں زندگیاں رشک کریں۔
قابل صد مبارکباد ہیں وہ مائیں جنہوں نے ایسے نونہالانِ اُمت کو پالا پوسا۔اور درخور
ہزار تحسین و تبریک ہیں وہ باپ جنہوں نے ملتِ بیضا کے اِن مجاہدین کو پروان چڑھایا۔
اللہ کی رحمتیں کروٹ کروٹ مجاھدین کے ساتھ ہوں۔اور دونوں جہانوں کی برکات
ان کے متعلقین کے ہمرکاب۔

ہمیں اِس حادثۂ کبریٰ میں کوئی چیز وجہِ حزن وملال نظر نہیں آئی۔شجرِ اسلام ہمیشہ خون سے سینچا گیا ہے، اور اس کی صحیح آبیاری ہمیشہ خون ہی سے ہوگی۔ہمیں خوشی ہے کہ بلند بخت مجاہدین کا یہ گروہ اپنے عزم وارادہ اور شوق جاں سپاری میں پورا اُترا۔اور یوں اِس ویرانۂ ہند میں جہاں اسلام فی الواقعہ کچھ غریب الدیار سا ہو رہا تھا۔اس کی شوکت وعظمت کی نشاۃِ ثانیہ کی بنیادیں رکھ دی گئیں۔البتہ اِس تمام واقعہ میں وجہِ تاسف ہے تو یہ امر کہ جب میدانِ قیامت میں شہیدانِ بلند شہر کا یہ قافلہ خونچکاں کفن میں ملبوس۔داورِ دادار کے حضور اپنے خونبہا کا مطالبہ کرے گا تو مجرموں کے کٹھرے میں ایک ایسا شخص کھڑا ہوگا جسکے گلے میں آویزاں تختی پر مسلمانوں کا سا نام لکھا ہوگا اور اس کی جھکی ہوئی نگاہیں کہہ رہی ہوں گی کہ یالیتنی کنت ترابا۔اگرچہ وہ معذرت خواہی میں کہے گا کہ میرا تو کوئی قصور نہیں ہیں تو ایک کٹھ پتلی کی طرح اپنے آقاؤں کے اشاروں پر رقص کر رہا تھا۔لیکن یہ عذرِ گناہ بدتر از گناہ سمجھا جائے گا۔کیا ہمارے اس مسلمان بھائی کے دل میں۔اور اسکے ساتھیوں کے دلوں میں۔ابھی تک اِس امر کا احساس نہیں پیدا ہوا کہ اس جرمِ عظیم کے کفارہ میں وہ کم ازکم اس مشنیری کے کل پُرزے بننے سے ہی تائب ہوجائیں جس مشنیری نے انکے بے گناہ بھائیوں پر یہ ظلم ڈھایا ہے؟

خاکسار سپاہیو!

تمہارے بھائی اپنا فریضۂ خداوندی نہایت حسن وخوبی سے ادا کر گئے اور جو عہد انھوں نے

اپنے اللہ سے باندھا تھا اسے خوب نبایا۔ وہ چلے گئے لیکن تمہارے ذمہ فرائض باقی ہیں۔ یاد رکھو:۔

بے جراٴتِ رندانہ ہر عشق ہے روباہی !
بازو ہے قوی جس کا وہ عشق ید اللہی ؛

اِس چیز کو اپنے دل میں پختہ کر لو کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا مستقبل تمہارے اور صرف تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ تمہاری قربانیوں میں قوم کی زندگی کا راز پوشیدہ ہے۔ تمہاری راہ بڑی پُرخطر اور منزل کٹھن ہے۔ لیکن جس سفر کا محرک جذبۂ عشق ہو اس سفر میں ہر تکلیف راحت ہوا کرتی ہے۔ یاد رکھو۔ ہر تحریک کی کامیابی کے لیے ٹکراؤ نہایت ضروری ہے ۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی !

خوب سمجھ لو کہ جہانِ ناساعد میں زندگی بسر کرنا مردِ مومن کا کام نہیں اسے ایسی دُنیا کو اُلٹ کر اپنے مقاصد کے مطابق ایک جہانِ نو کی تعمیر کرنا ہوگی۔ وہ

برکند بنیادِ موجودات را ؛ می دہد ترکیبِ نو ذرات را
گردشِ ایام را برہم زند ؛ چرخِ نیلی فام را برہم زند
می کند از قوتِ خود آشکار ؛ روزگارِ نو کہ باشد سازگار

لیکن اِس تمام تخریب و تعمیر میں ایک اصل الاصول ہمیشہ پیشِ نظر رہے اور وہ یہ کہ تمہارا قدم کسی وقت بھی قرآن کریم کے جادۂ مستقیم سے لغزش نہ کھانے پائے۔ اسکے بعد۔

بانشۂ درویشی درساز و دمادم زن ؛ چو پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

بعض حلقوں میں تمہاری تحریک کے متعلق بہت سے شکوک پیدا کئے جارہے ہیں ان سے مت گھبراؤ۔ ہم سے بھی دریافت کیا جارہا ہے کہ ہم اس تحریک کی کیوں حمایت کر رہے ہیں۔ اگرچہ اربابِ نظر خوب جانتے ہیں کہ ہم ایسا کیوں کرتے ہیں لیکن ہم کسی دوسری اشاعت میں تفصیلاً تمہیں بتائینگے کہ ہم تمہاری تحریک کو کیا سمجھتے ہیں۔

اللہ کی نصرت تمہارے ساتھ ہو !

اُردو

اسد ملتانی

اُردو ہی تو ہے ہند کی مقبول زباں بھی
اور شیخ و برہمن کی محبت کا نشاں بھی

وسعت کا یہ عالم ہے کہ پہنچی ہے وہاں بھی
جن دُور کے دیسوں کا نہ تھا وہم و گماں بھی

کیا ملک میں ایسی ہے کوئی اور زباں بھی؟
اتنی ہی جو دلکش بھی ہو شیریں بھی رواں بھی

بنیاد اٹھی اس کی اگر سنسکرت سے
موجود ہے اس میں عربی لطف بیاں بھی

گفتار کی رُو سے جو کریں جانچ تو اُردو
ہندو کی زباں بھی ہے مسلماں کی زباں بھی

قرآن کے حرفوں میں لکھی جاتی ہے لیکن
اس واسطے ہے بعض دلوں پر یہ گراں بھی

اس خط کو بدلنے کے لیے اہلِ وطن میں
جاری ہیں بہت کوششیں پنہاں بھی عیاں بھی

ملّت ہی پہ موقوف ہے اس خط کی حفاظت
اور خط کی حفاظت سے ہے وابستہ زباں بھی

اُردو ہے "زباں"، جس کی وہ اک "جسم" ہے ملت
کیا اس میں ہے کچھ جان بھی اور تاب و تواں بھی؟

ملّت ہے اگر زندہ تو مٹتی نہیں اُردو
گر جسم سلامت ہے تو باقی ہے زباں بھی

سلیم کے نام .....

از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز

سلیم! میرے مضامین (سلسلۂ "خدا کی بادشاہت" وغیرہ) پڑھ کر جو خیالات تمہارے دل میں پیدا ہوئے وہ بالکل فطری ہیں اور ہر اس شخص کے دل میں پیدا ہونے چاہئیں جو قرآن کریم کا خالی الذّہن ہو کر مطالعہ کرتا ہے اور جس کی نگاہ ان حقائق کی متلاشی ہوتی ہے جو خدائے حکیم و خبیر نے اس عدیم النظیر کتابِ مبین میں بے نقاب کر کے رکھدئے ہیں اور جو قوموں کی تباہی و بربادی اور نجات و فلاح کے لیے غیر متبدل اور اٹل قوانین فطرت ہیں۔ تم میرے مسلک سے واقف ہو۔ میں قرآن کریم کو مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ تمام نوع انسانی کی جملہ مشکلات کا واحد حل اور تمام مصائب و آلام کا حتمی علاج سمجھتا ہوں۔ اور میرا یہ اعتقاد محض خوش عقیدگی پر ہی مبنی نہیں۔ بلکہ میں علی وجہ البصیرت اس کا یقین رکھتا ہوں ایسا یقین جو وجہ طمانیت قلب اور باعثِ تسکین روح ہوا کرتا ہے۔

تم پوچھتے ہو۔ اور ایسا پوچھنے میں تم بالکل حق بجانب ہو کہ جب مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت آج نمازیں بھی پڑھتی ہے۔ روزے بھی رکھتی ہے۔ زکوٰۃ بھی دیتی ہے۔ حج کا فریضہ بھی ادا کرتی ہے تو ان اعمال کا وہ نتیجہ مرتّب کیوں نہیں ہوتا جو عہد صحابہؓ میں ہوتا تھا۔ چونکہ تم فلسفیانہ موشگافیوں اور منطقیانہ اصطلاحات میں اُلجھنے کے عادی نہیں ہو۔ اور تم جانتے ہو کہ میں بھی ان چیزوں کو عملی مسائل حیات کے لیے بے کار سمجھتا ہوں۔ اس لیے تمہیں کھلے کھلے الفاظ میں بتانا چاہتا ہوں کہ آج ہمارے یہ "اعمال حسنہ" کیوں بے نتیجہ ہو رہے ہیں۔

سلیم! ذرا غور کرو کہ جاڑے کا موسم ہے۔ سخت سردی کا دن۔ شام کے قریب جب کہ آفتاب کی شعاعوں میں تمازت باقی نہیں رہی۔ رحمت کی بیوی اپنے خورد سال بچّوں کو لے کر اپنی تنگ و تاریک کوٹھری میں آبیٹھی ہے۔ رحمت کی بیوی کو تم جانتے ہو تم بچپن میں ان کے ہاں کھیلنے جایا کرتے تھے۔ عمر کا

تقاضا تھا کہ اس کے چہرے پر شگفتگی اور شادابی ہوتی لیکن مسلسل فاقوں نے اسے ایسا افسردگی اور پژمردگی سے بدل دیا تھا کہ وہ ایک اُجڑا ہوا بہشت معلوم ہوتا تھا جس پر سوائے نورِ عصمت کے جو ہر ایسی پاکدامن بی بی کے چہرے پر ہونا چاہیئے۔ رونق اور زندگی، تازگی اور بشاشت کا کوئی اثر باقی نہ تھا۔ ہاں وہ اپنے بچوں کو لے کر چولھے کے قریب آبیٹھی۔ خشک ٹہنیاں سوکھے ہوئے پتے خس و خاشاک، دوپہر کو اکٹھا کر لائی تھی۔ اسے سُلگا دیا تاکہ بچے تاپتے رہیں۔ لیکن سردی سے زیادہ تو بچوں کو بھوک ستا رہی تھی۔ ان کے پیہم معصوم تقاضوں سے مجبور ہو کر ہنڈیا میں خالی پانی ڈال کر چولھے پر چڑھا دیا اور یوں ان ننھے بچوں کو۔

نہیں! خود اپنے دل کو فریب دے لیا۔ ہر آہٹ پر کان اور ہر جنبش پر نگاہ تھی۔ بچے اور ان کی ماں رہ رہ کر گلی کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ جھٹپٹا ہو گیا کہ گلی کے دوسرے کنارے سے رحمت آتا دکھائی دیا۔ ننگے پاؤں۔ پنڈلیاں گرد و غبار سے اٹی ہوئیں۔ گھٹنوں تک کا پُرانا تہمد پھٹا ہوا گاڑھے کا کرتا جس کی آستینیں بوسیدہ ہونے کی وجہ سے کہنیوں تک چڑھا رکھی تھیں۔ بس اس شدت کے جاڑے میں یہی کل کائنات۔ چہرہ پر زردی چھائی ہوئی۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئیں۔ گھر کی طرف قدم اُٹھاتا لیکن قدم بہ مشکل اُٹھتا۔ دروازے کے قریب آیا تو وفا شعار غریب بیوی نے منہ میں بسم اللہ کہہ کر استقبال کیا۔ دونوں بچے ٹانگوں سے لپٹ گئے۔ بیوی نے ایک حسرت بھری نگاہ میاں کے افسردہ چہرے پر ڈالی۔ اس کی غم آلود آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ مجھے تو آج بھی کہیں مزدوری نہیں مل سکی۔ دن بھر اِدھر اُدھر پھرتا۔ لوگوں کی منتیں کرتا رہا لیکن کچھ کام نہ مل سکا۔

عین اسی وقت سامنے کی مسجد میں خواجہ صاحب کی طرف سے دو ہزار روپے کا گراں بہا قالین بچھایا جا رہا تھا۔ اور نمازی اسلام کی شوکت و عظمت پر ایک دوسرے کو مبارک باد اور خواجہ صاحب کو علو مرتبت و اقبال کی دعائیں دے رہے تھے۔

سلیم! تم عنایت اللہ کو جانتے ہو نا! جو تمہارے ساتھ پڑھا کرتا تھا۔ کس قدر ذہین اور کیسا شریف بچہ تھا لیکن بچپن میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اس کی ماں دن بھر محنت مزدوری کرتی اور بچہ کی

پرورش کا سامان مہیا کرتی۔ لیکن جب مزدوری مردوں کو نہ مل سکے تو عورتوں کو مزدوری کہاں سے ملے
میں نے اپنی کھڑکی سے دیکھا کہ صبح مدرسے جاتے وقت ماں نے بچہ کو چھاتی سے لگایا۔ آنکھوں میں آنسو
اُمنڈ آئے۔ لیکن دل کڑا کر کے بیٹے کو تسلی دی کہ مدرسے ہو آؤ۔ بس تمہارے آنے پر روٹی تیار ملے گی۔ میں دن
میں ضرور پکا رکھوں گی۔ جاؤ میرا بیٹا! اللہ حافظ۔

سلیم! اگر ہمت ہو تو اس ماں کے دل کی گہرائیوں میں اُتر کر دیکھو کہ بیٹے کو یوں بھوکا مدرسے بھیجتے
وقت اس کے سینے میں کس قدر قیامت خیز جذباتِ غم و حزن کا طوفان برپا ہوگا۔ وہ غربت و فلاکت کا
مجسمہ چپکے سے مدرسے چلا گیا۔ شام کو آیا۔ ماں گھر پر نہ تھی۔ شاید دانستہ چلی گئی ہوگی کہ بھوکے بیٹے کو کس طرح
دیکھ سکے گی؟ عنایت اللہ نے اندر آکر سب سے پہلے دسترخوان کو کھولا تو اس میں کچھ نہ تھا۔ خاموش باہر چلا
گیا۔ گلی میں سے گزر رہا تھا کہ سامنے خان صاحب کے مکان میں سینکڑوں مسلمانوں کا اجتماع تھا
متنوع پھل۔ قسم قسم کی مٹھائیاں میزوں پر چُنی رکھی تھیں کہ آج خان صاحب کے بچے کی پہلی افطاری کی
تقریب تھی۔ یہ دونوں وقت کا بھوکا، یتیم، انہیں دیکھتا ہوا چلا گیا کہ چوک میں کچھ بوجھا مل جائے تو ایک
پیسے کے چنے لے سکے۔

سلیم! تم نے مائی بھولی کو دیکھا ہے؟ وہ اندھی بڑھیا جو پاگل ہو رہی ہے۔ لیکن تم نے اس کے
بیٹے کو شاید نہیں دیکھا۔ اٹھارہ سال کا نوجوان بیٹا۔ اس کا باپ مدت ہوئی چالی پر سے گر کر مر گیا تھا
عمارت بنوانے والے نے دوسرے دن اور مزدور کام پر لگا لیا اور کسی کو خبر تک بھی نہ ہوئی کہ کس کا سہاگ
لٹ گیا اور کون یتیم ہو گیا۔ اس بچہ کو مائی بھولی نے بڑی مشقت سے چرخہ کات کات کر پالا تھا۔
جس سال بڑے زور کا انفلوئنزا پھیلا ہے۔ وہ لڑکا بھی بیمار ہو گیا۔ محلہ میں ایک حکیم جی تھے۔ وہ غریبوں کو
نسخہ مفت لکھ دیا کرتے تھے وہاں سے غریب بیوہ نسخہ تو لکھوا لائی لیکن اٹھنی کے پیسے پاس نہ تھے کہ دوائی
خرید سکے۔ سلیم! باور کرو کہ اس نے محلے کے ایک ایک گھر میں جا کر منتیں کیں کہ کہیں سے کچھ پیسے قرض ملجائیں
لیکن کسی نے نہ دیے۔ نسخہ ہاتھ میں تھا اور سامنے جوان بیٹا جان توڑ رہا تھا۔ بچارا تڑپ تڑپ کر مر گیا

یہ اس دن کا واقعہ ہے جس دن جناب کمشنر بہادر نے "میر اشرف میموریل ہسپتال" کا سنگِ بنیاد رکھا ہے۔

اور تم نے رضیہ بچاری کا پیغام تو اگلے دنوں خود اپنے کانوں سے سن لیا تھا۔ ذرا اندازہ لگاؤ کہ اسے جوان بھائی کے مرنے کی اطلاع ملتی ہے لیکن اس کے پاس ضروری کپڑے تک نہیں کہ ستر ڈھانپ کر گھر کی چار دیواری سے باہر نکل سکے۔ جب اس نے کپڑوں تک مستعار مانگے تھے تو ظاہر ہے کہ بچاری کے پاس زادِ راہ کیا ہوگا۔ اس نے گاؤں کے میراثی اور نائی کو کہلا بھیجا کہ کوئی اس کے ساتھ جائے لیکن جب انہیں علم تھا کہ اس کے پاس کچھ نہیں تو وہ بلا اُجرت کیسے ساتھ ہو لیتے۔ گاؤں میں دور و نزدیک کے رشتہ دار بھی تھے لیکن کسی کو فرصت کہاں کہ اس کی مصیبت میں حصہ بٹائے۔ سارا گاؤں فتوخاں نمبردار کے لڑکے کی شادی کی تیاری میں تھا۔ غریب اکیلی چلچلاتی دھوپ میں پیدل روانہ ہوگئی کہ مرنے والے کا منہ تو دیکھ لے۔ وہی رضیہ جس نے بچپن میں اپنے مرحوم باپ کی معیت میں (جو "شمس العلماء" تھے) دو حج کئے تھے۔ اور یہ اس گاؤں کا واقعہ ہے جس کے مسلمان دین کے معاملات میں اپنے کٹر پن میں مشہور ہیں۔ لیکن وہ "دین کے معاملات" کیا ہیں؛ وہابی اور حنفی کے جھگڑے تو وہاں شروع سے چلے آتے تھے۔ اس دفعہ جو میں وہاں گیا ہوں تو ایک اور جھگڑا سننے میں آیا۔ خود حنفیوں کے ہاں بھی دو جماعتیں (پارٹیاں) بن رہی تھیں اور آپس میں سر پھٹول تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ میں نے فریقین کے نمائندوں کو بلا کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایک "عظیم الشان" مسئلہ کے اختلاف کی وجہ سے یہ تنازعہ پیدا ہوا ہے۔ کہیں سے ایک مولوی صاحب تشریف لائے۔ مولوی صاحب بقول ایک گروہ کے، بہت "بھاری" مولوی صاحب تھے۔ تین تین کوس تک ان کی آواز جاتی تھی۔ اُنہوں نے مسئلہ بیان کیا کہ مسجد کی شان رسول اللہؐ کی شان سے بڑی ہے۔ کیونکہ رسول اللہؐ خود مسجد میں چل کر آتے تھے اور مسجد کبھی ان کے پاس چل کر نہیں جاتی تھی۔ گاؤں کے مولوی صاحب کو اس سے اختلاف تھا وہ رسول اللہؐ کی شان کو مسجد کی شان سے بڑا سمجھتے تھے۔ بس کیا تھا۔ دو فریق پیدا ہوئے۔ باہمی جھگڑے ہوئے، لڑائیاں ہوئیں۔ مقدمہ بازی تک نوبت پہنچی۔ قریب سال بھر ہو گیا۔ یہ آگ آگے ہی آگے بڑھتی جا رہی ہے

اور ہر فریق اس جدّ و جہد اور مساعی حسنہ کو "جہاد عظیم" قرار دے رہا ہے۔ اسی باہمی تشتت و انتشار کا نتیجہ ہے کہ کھیت ویران ہو رہے ہیں فصلیں تباہ ہو چکی ہیں۔ زمین کا بیشتر حصہ جاٹوں کے قبضے میں چلا گیا ہے۔ بقایا رہن رکھا ہوا ہے کچھ عرصہ کے بعد تم دیکھو گے کہ جاٹ تمام گاؤں کے واحد مالک بن جائینگے اور یہ دین دار مسلمان ان کے مزارعہ ہو جائیں گے۔ اور مولوی صاحب انہیں مبارک باد دیں گے کہ اُنہوں نے یہاں کی زمین بیچ کر بہشت کی زمین خرید لی۔ اس لیے یہ سودا خسارے کا نہیں۔

تم کہو گے کہ یہ تو جہلا کی باتیں ہیں لیکن تمہیں وہ خطبۂ جمعہ بھی تو یاد ہو گا جو شہر کی جامعہ مسجد میں شعبان المعظم کے مبارک مہینہ کی تقریب پر تم نے سنا تھا۔ جناب خطیب نے۔ جو خدا کے فضل سے ایک فارغ التحصیل مولوی صاحب ہیں اور جن کے پاس اپنے بیان کی تائید میں سینکڑوں حوالے بھی موجود تھے یہی فرمایا تھا کہ "شبِ برات ایک ایسی رات ہے جس میں اللہ تعالےٰ پکار پکار کر کہتا ہے کہ میرے بندے مجھ سے جو جی میں آئے مانگیں۔ میں ہر ایک کی طلب کو پورا کروں گا۔ لہذا جس شخص نے اس رات میں پچاس نفل پڑھ کر مغفرت کی دعا مانگ لی اس کی نجات کا اللہ تعالیٰ خود ذمہ دار ہے" اس کے بعد تمہیں یاد ہو گا کہ مولوی صاحب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے اور اُنہوں نے فرمایا تھا کہ رحمت خداوندی کے اس بحر ذخار میں ہر ایک کا حصہ برابر ہو گا۔ لیکن ایک سوختہ بخت اس سے محروم رہ جائے گا۔ لوگوں کی آنکھیں اوپر کو اُٹھیں کہ معلوم کریں کہ وہ کون بدنصیب ہو گا جو ابر رحمت کی ایسی گہر باری سے فیض یاب نہ ہو سکے گا مولوی صاحب نے فرمایا کہ ہاں ایک اور صرف ایک شخص اس رحمت سے محروم رہ جائے گا۔ یعنے وہ جس کا پاجامہ اس کے ٹخنوں سے نیچا ہو گا۔ یہ تو جہلا کی باتیں نہ تھیں اور نہ ہی مولوی صاحب یہ کچھ اپنی طرف سے بیان کر رہے تھے۔ انہیں یہ سب کچھ "عین اسلام" کہہ کر پڑھایا گیا تھا کتابوں میں یہ کچھ لکھا ہوا ہے اور وہی کچھ "عین اسلام" سمجھ کر آگے پہنچا رہے تھے! ہاں! تو میں تمہیں رضیہ بی بی کی بپتا کی داستان سنا رہا تھا۔ اور ایک رضیہ بچاری پر کیا موقوف ہے۔ ذرا اپنے گرد و پیش نظر دوڑاؤ اور دیکھو کہ اس قسم کے کتنے واقعات ہر روز تمہارے سامنے سے گزر جاتے ہیں۔ سوعزیزم! جس سوسائٹی کا نظام یہ ہو اس کے متعلق یہ سوال پیدا ہونا کہ ان کی نمازیں اور ان کے روزے۔ ان کی زکوٰۃ اور ان کے حج۔ غرضیکہ

ان کے "اعمال حسنہ" وہ نتائج کیوں پیدا نہیں کرتے جو فطری طور پر ہونے چاہیئے تھے۔ کچھ تعجب انگیز نہیں۔ سلیم! میں پھر کہتا ہوں اور تم غور سے اس نکتے کو سمجھنے کی کوشش کرو کہ اسلام ایک نظام زندگی ہے۔ باقی ادیان جن میں انسانی تصرفات ہو چکے ہیں۔ دین کو محض انفرادی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ "عبادات" سے ان کا مفہوم ایک فرد واحد کا تزکیۂ نفس ہوتا ہے اور بس۔ لیکن اسلام تزکیۂ نفس اس لیے ضروری سمجھتا ہے کہ ان مزکی نفوس کے اجتماع سے جو تمثیلی (آئیڈیل) سوسائٹی مرتب ہو گی وہ دنیا میں ایک ایسے نظام زندگی کا وجود قائم کرے گی جو مسجود ملائک آدم کی تخلیق کا منشا تھی۔ نہ ایسی زندگی جو یفسد فی الارض ویسفک الدما (فساد انگیزی اور خوں ریزی) کا مظہر ہو گی۔ جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں اسلام ہر عبد مومن کو اس کارگہ حیات کی عظیم الشان مشینری کا اہم اور کارآمد پرزہ قرار دیتا ہے جس کی ہر حرکت اور جنبش کا اثر تمام مشینری پر پڑتا ہے۔ اگر ہر پرزہ اپنی اپنی جگہ صالح (محکم اور درست) ہے تو اس کا فطری نتیجہ ہے کہ مشینری بھی ایک ضبط و ربط کے ماتحت چلے اور اس کا جیتا جاگتا نتیجہ گھڑی کی ڈائل کی طرح سامنے آجائے۔ لیکن اگر یہ پرزے الگ الگ پڑے رہیں تو خواہ ان میں سے ہر ایک پرزہ الماس و یاقوت کا کیوں نہ ہو مشینری بے کار ہو جائے گی۔ آج ہماری مشینری بے کار ہو رہی ہے اور یہ نتیجہ ہے اس عملی رہبانیت کا جو مسلمانوں کے عقائد و اعمال میں سرایت کر چکی ہے۔ سلیم! غور سے قرآن کریم کا مطالعہ کرو تو تم پر یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی کہ کسی قوم پر ذلت و مسکنت افلاس و نکبت کا چھا جانا۔ اور پھر اس قوم کا اس حالت میں مطمئن ہو جانا۔ خدا کا غضب ہے۔ اللہ کا عذاب ہے۔ اور یہ تو تم سمجھتے ہی ہو کہ ایک مغضوب علیہ قوم محض بے روح نمازوں اور رسمی روزوں کے بل بوتے پر اپنے آپ کو منعم علیہ قرار نہیں دے سکتی۔ جب اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ایمان اور عمل صالح سے استخلاف فی الارض کی زندگی عطا کرے گا تو ظاہر ہے کہ جس ایمان و عمل کا نتیجہ شوکت و عظمت تمکن و استخلاف نہیں۔ یا کم از کم وہ اس حالت کی طرف رفتہ رفتہ لیے نہیں جا رہے۔ وہ ایمان۔ ایمان۔ اور وہ عمل۔ عمل صالح نہیں ہو سکتا۔ اس کے سوا تم کسی اور نتیجے تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔ کیوں کہ اللہ کے وعدے تو بہر حال سچے ہیں۔ اور اس کا قانون اٹل۔ سلیم! ذرا انسانیت کی معراج کبریٰ۔ یعنی دور رسالت کی تاریخ پر نگاہ ڈالو۔ وہ کونسا خاص پروگرام تھا جس کا انفرنس

اور انجمنوں نے مرتب کر کے قوم کے سامنے رکھا تھا؟ یہی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہی تو تھا کہ جس نے چند سال کے عرصہ میں نہ صرف اس قوم کی تمدنی، اخلاقی اور معاشرتی حالت ہی میں انقلاب پیدا کر دیا بلکہ ان کی معاشی اور اقتصادی زندگی کی بھی کایا پلٹ دی۔ اور کھجوروں کی گٹھلیوں کے ستو کھا کر گزارہ کرنے والی قوم قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کی وارث بن گئی۔ ان ہی سیدھے سادے اعمال نے ان کے اندر وہ خشیت الٰہی اور تقوے پیدا کر دیا جو ایک مرد مومن کی نگاہ میں تقدیریں بدل دینے والی قوت پیدا کر دیتا ہے وہ مردِ مومن کہ جسے اس کائنات کو مسخر کرنے والا بنایا تھا کیا تم باور کر سکتے ہو کہ وہ دنیا میں ذلت و خواری نکبت و پستی۔ عاجزی و مظلومی۔ بے کسی و بے بسی۔ درماندگی و افسردگی۔ محتاجی و گداگری کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جائے گا؟ کیا ہر باطل کی قوت کے سامنے جھک جانے والے نمازی اور روٹی کی خاطر غیرت و حمیت بیچ دینے والے روزہ دار اسی خشیت و تقویٰ کی پیداوار ہو سکتے ہیں! حاشا و کلا۔ سبحان اللہ تعالےٰ عمّا تصفون۔

سلیم! ایک مرتبہ اس چیز کو پھر سن لو کہ میرا مقصد یہ نہیں کہ اعمال اسلامی کا حاصل محض اس دنیا کی فلاح و کامیابی۔ غلبہ و تسلّط ہے۔ ہرگز نہیں۔ اگر ایسا ہو تو پھر خدا کی بادشاہت اور شیطان کی حکومت میں فرق کیا ہوا؟ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اعمالِ اسلامی کا لازمی اور فطری نتیجہ اس دنیا میں حکومت و سطوت۔ شوکت و عظمت کی زندگی بھی ہے۔ اور اگر آج ہمارے اعمال کا یہ نتیجہ نہیں ہے تو ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ ہمارے اعمال اسلام کے میزان میں پورے نہیں اُترتے۔

سلیم! تم پوچھتے ہو کہ بالآخر یہ عذاب کی زندگی ہم پر مسلّط کیوں ہو گئی! حیران ہوں کہ تم اب تک اتنی سی بات بھی سمجھ نہ سکے۔ اس سے تو تم متفق ہو گے کہ اسلام کا مقصد وحید انسانوں کو دنیا میں تمام انسانی سلاسل و اغلال سے آزاد کر کے انہیں صرف اللہ کی حکومت کے ماتحت رکھنا تھا۔ لیکن سلیم! تم ذرا مسلمانوں کی تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھو کہ جس انسانی استبداد کو مٹانے کے لیے اسلام آیا تھا۔ کن کن شاہراہوں سے وہی استبداد امت پر مسلط کیا گیا۔ اور قیامت یہ کہ اس استبداد کا تسلّط بیشتر مذہب کی آڑ میں

قائم ہوا۔ اور جو طوق یکسر غیر اسلامی تھا اسے عین اسلامی بنا کر مسلمانوں کے گلے میں ڈال دیا گیا۔ تم سمجھتے ہو کہ خدا کی میزان میں یہ جرم کچھ ایسا کم وزنی تھا کہ یونہی معاف کر دیا جاتا۔ امم گزشتہ کو جن جرائم کی پاداش میں عذاب الٰہی میں گرفتار کیا گیا تھا کیا وہ اسی قسم کے جرائم نہ تھے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ فطرت کسی کی سوتیلی ماں ہے؟ پہلوں نے یہی کچھ کیا تو ان پر عذاب آیا۔ جب مسلمانوں نے بھی وہی کچھ کیا تو ان پر عذاب کیوں نہ آتا؟ ان پر تو بلکہ اور بھی سختی سے عذاب آنا چاہیئے تھا کہ ان کے پاس قانون خداوندی کا ضابطہ اپنی اصلی اور مکمل شکل میں راہ نمائی کے لیے موجود تھا۔ لیکن انہوں نے اسے پس پشت ڈال دیا (نبذ وکتاب اللہ وراء ظھورھم) اور اپنے خیالات و خواہشات ہی کو اپنا معبود بنا لیا۔ کیا اس کی سزا اس سے کچھ مختلف ہونی چاہیئے تھی؟ ان کو وراثت کتاب کے لیے منتخب کیا۔ انہیں نوع انسانی کے لیے بہترین امت قرار دیا۔ لیکن سب ایمان و عمل کے بدلے میں نہ صرف نام رکھانے کے عوض۔ اس کے باوجود تم پوچھتے ہو کہ اس قوم پر خدا کا عذاب کیوں مسلط ہوا۔ سلیم! اخوت، مساوات، خشیت، وحدتِ انسانی۔ خدا اور بندے کا براہ راست تعلق جماعتی زندگی، مرکزیت۔ اطاعت۔ فرد کا ملت میں جذب ہو جانا۔ یہ تھیں نظام حقیقی کی خصوصیات۔ تم دیکھتے ہو کہ مسلمان اس منشاء الٰہی کو کب سے بھولے ہوئے ہیں۔ چھوڑو ابتدائی دور ہمایوں کے مختصر سے زمانے کو۔ اور اسکے بعد قرآن کریم کی خوردبین سے پرکھتے جاؤ امتِ مسلمہ کے ایک ایک عمل کو۔ حقیقت تمہارے سامنے بے نقاب ہو جائے گی۔

لیکن بایں ہمہ عزیزم! یہ عذاب پھر بھی ادنیٰ عذاب ہے اس عذابِ اکبر سے وراء جو اس کے بعد آنے والا ہے۔ گرفت اس لیے ہو کہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ اگر آج بھی مسلمان اس نکتہ کو سمجھ لیں تو پھر دیکھو کہ ان کی نمازیں اور ان کے روزے کس طرح وہی نتائج نہیں پیدا کرتے جن کے دیکھنے کے تم اور ہر دردمند مسلمان متمنی ہے ولو ان اھل القریٰ اٰمنوا واتقوا لفتحنا علیھم برکات من السماء والارض۔ اس ایمان و تقویٰ کی حقیقت تمہیں قرآن کریم سے ملے گی بشرطیکہ تم اسے انسانی کتر بیونت سے بلند و برتر خدائے حیّ و قیّوم کا مکمل ضابطۂ حیات سمجھو اور مسلمان کی زندگی کا نصب العین قرار دو۔ زمین پر خدا کی بادشاہت کا قیام۔ والسلام۔

پرویز

مسئلۂ مسلمانانِ ہند اور اسکا حل

از

پروفیسر ڈاکٹر سیّد ظفر الحسن صاحب ایم اے (علیگ)، ڈی فل (آکسن)، ڈاکٹرفل (ارلانگن)
ڈاکٹر محمد افضال حسین قادری۔ ایم ایس سی۔ پی ایچ۔ ڈی (علیگ)، پی۔ ایچ۔ ڈی (کینٹب)

[طلوعِ اسلام کے صفحات میں ہندوستان کے آئینی مستقبل کے متعلق متعدد اسکیموں کا ذکر آچکا ہے۔ جیسا کہ ہم نے شروع میں لکھا تھا اِن مختلف اسکیموں کے پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ قارئین اِس باب میں اسلامی ہندوستان کے سیاسی مفکّرین کے زاویۂ نگاہ سے روشناس ہوسکیں اور اس طرح اِس اہم مسئلہ کے مختلف گوشے بے نقاب ہو جائیں۔ یوں تو یہ مسئلہ پہلے بھی کچھ کم اہم نہ تھا لیکن اِس چیز کے پیشِ نظر اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ مجوزہ فیڈریشن کا نفاذ کچھ عرصے کے لیے ملتوی ہو گیا ہے۔ اور یوں مسلمانانِ ہند کو کچھ اور وقت مل گیا ہے۔ کہ وہ اپنے مستقبل کے متعلق غور و فکر سے کسی ایک نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ ہم نے یہ بھی لکھا تھا کہ ہم اِن اسکیموں پر سرِ دست کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے۔ بالخصوص اسلیئے کہ یہ اسکیمیں مسلم لیگ کے زیرِ غور ہیں اور اُنپر کوئی تبصرہ پیش از وقت متصور ہوگا۔ اِسی سلسلہ میں اِسکیم زیرِ نظر (بلا تبصرہ) شائع کیجاتی ہے۔ یہ اسکیم اِس لحاظ سے بھی درخورِ توجہ ہے کہ اسکا سرچشمہ مسلمانانِ ہند کا علمی مرکز (علی گڑھ) ہے۔]

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء اور اُس ایکٹ کے ماتحت مجوزہ آل انڈیا فیڈریشن نیز صوبائی حکومت خود اختیاری کی شکل میں فیڈریشن پر جزوی عملدرآمد سے مسلمانانِ ہند کو نہایت اہم خطرے سے دوچار کر دیا ہے۔ یعنی اُنکے مخصوص قومی تشخص کا استہلاک :-

اِس ایکٹ کے معانی کو بہ تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ ایکٹ مرکز میں ہندو اکثریت کے زیرِ تسلّط نوکروڑ مسلمانانِ ہند کو دوامی تغلب کا شکار بنا دیتا ہے اور اس ایکٹ کی رُو سے

مسلم اکثریت کے صوبوں کی حیثیت محض باجگزار نہ رہ جاتی ہے اور مسلمان اقلیت کے صوبے ہندو اکثریت کے رحم وکرم پر چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ اسکا سب سے بڑا بنیادی نقص یہ ہے کہ یہ دستور اس ناقابلِ انکار حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا کہ مسلمانانِ ہند ہندوؤں سے بالکل علیحدہ قوم ہیں۔ یہ قوم بہ اعتبار مسلک و مطمح نظر ہندو سے بالکل مختلف واقع ہوئی ہے اور اسکا کسی ہندو یا غیر ہندو نام نہاد قومیت میں انجذاب ناممکنات میں سے ہے۔

لنڈن ٹائمز اپنی یکم اپریل ۱۹۳۷ء کی اشاعت میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء پر رائے زنی کرتے ہوئے رقمطراز ہے۔

"بلاشک مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین صرف مذہب ہی کا فرق نہیں بلکہ ثقافت و قانون کا بھی اختلاف ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ وہ یقیناً دو بغایت متمیز و مختلف تہذیبوں کے حامل ہیں۔ بہرکیف مرورِ ایام سے "توہمات" فنا ہو جائینگے اور ہندوستان میں ایک واحد قوم کی تشکیل صورت پذیر ہو گی"۔

ہم لنڈن ٹائمز کے اس ناصحانہ وعظ و پند پر اعتراض کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ "وہ توہمات" جنہیں لندن ٹائمز کی رائے میں فنا ہو جانا ہے، درحقیقت ثقافتِ اسلامی کے مخصوص عناصر اور ہندوستان پر اسلام کے احسانات ہیں۔ بلاکسی شائبۂ وہم وگمان آپ دیکھیں گے ابھی ایک پشت بھی نہ گزرنے پائے گی کہ آل انڈیا فیڈریشن مخصوص اسلامی نقطۂ نظر، تمدن اور زبان کو کلیتہً فنا کر دے گی اور مسلمانوں کو ہندوؤں کے منشار کے مطابق بدل دے گی۔

انجام کا علم آغاز سے معلوم کرنا ہو، تو ان عنوانات کو دیکھیے جو ابھی سے کانگرس کی مختلف تحاریک کی پیشانیوں میں جھلکتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً مسلم روابط عوام کا پروگرام، ودیا مندر اور واردھا اسکیم کے چھپے ہوئے نشتر ہندی کی ترویج کی نظر فریب تحریک یا اسی قسم کی اور اسکیمیں جنہیں قومیت پرستی کے حسین نقاب میں پیش کیا جا رہا ہے۔ پس ہم مسلمانوں کا یہ نہایت اہم فرض ہے کہ ہندوستان میں اپنے قومی تشخص کے استبقار اور اپنے حقوق کے استحفاظ کے لیے پوری پوری کوشش کریں۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم مسلمانوں کی آزادی کامل اور مساویانہ حیثیت کے حصول میں کوشاں ہوں اور کسی صورت میں بھی مسلمانوں کی محکومی پر رضامند نہ ہوں خواہ اس کی سعی ہندوؤں کی طرف سے ہو یا انگریزوں کی جانب سے ۔

اس سے قبل کہ ہم مسلمانانِ ہند کے مذکورۂ بالا مسئلہ کے حل میں اپنی تجاویز پیش کریں ضروری ہے کہ اِن چند اہم اسکیموں پر مختصر تبصرہ کریں جو مسلمانوں کے پیشِ نظر ہیں ۔

اِن میں سے ایک اسکیم وہ ہے جو پاکستان کے نام سے موسوم ہے ۔ جسکا مقصود یہ ہے کہ ہندوستان کے شمال مغربی صوبوں کا ایک فیڈریشن بنوایا جائے ، جس میں پنجاب ، سندھ ، بلوچستان ، صوبہ سرحد اور کشمیر داخل ہوں ۔ یہ تحریک پاکستان ہندوستان کے اخبارات میں شدید غلط بیانی کے ساتھ پیش کی جارہی ہے ۔ اور اُسی کے متعلق خود مسلمانوں میں بھی غلط فہمی پیدا کی جاچکی ہے ۔ بہرکیف یہ نہایت ضروری ہے ۔ کہ مذکورہ اسکیم کو "غیر پاکستانی" مسلمانوں کے مسائل حیات کے پہلو بہ پہلو جانچا جائے ۔

دوسری اسکیم وہ ہے جو حیدرآباد دکن کے ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب نے پیش کی ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ ہندوستان کو تہذیبی منطقوں میں تقسیم کیا جائے ۔ اور اِس اسکیم نے ہندوستان کی پبلک اور پریس کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کروا لیا ہے مختصراً اِس اسکیم کا منشا یہ ہے کہ ہندوستان کو ہندو اور مسلم تہذیب کے منطقوں میں تقسیم کرلیا جائے ۔ پُوری اسلامی آبادی اسلامی منطقوں اور ہندو آبادی ۔ ہندو منطقوں میں منتقل کردی جائے ، جو کہ کم و بیش متجانس گروہوں میں منتج ہوگی ۔ یہ تہذیبی وحدتیں ۔ جیسا کہ ڈاکٹر لطیف صاحب کی اسکیم سے ظاہر ہے ۔ قریباً اِسی طرز کی آل انڈیا فیڈریشن بنائیں گے ۔ جیسے سوٹزرلینڈ ہیں ۔ مزید برآں ہندوستان کے تہذیبی منطقوں کی تشکیل کے لیے ڈاکٹر لطیف صاحب کی اسکیم کی رُو سے ایک دَورِ عبوری درکار ہوگا جسکے لیۓ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں تھوڑی بہت دستوری ترمیم کی جاسکتی ہے ۔

ہمیں اندیشہ ہے کہ ڈاکٹر لطیف صاحب کی اسکیم کے متعلق یہ شبہات پیدا ہونگے کہ یہ عملاً

ممکن بھی ہے ۔ یا نہیں ! نیز یہ کہ اِس میں ہندو مسلم مسئلہ کا تسلّی بخش حل بھی موجود ہے ۔ یا نہیں ! کروڑوں کی تعداد میں ہندو مسلم آبادی کا بڑے پیمانے پر اِدھر سے اُدھر منتقل ہونا عملی سیاست کی گیرائیوں سے بعید ہے ۔ علاوہ ازیں یہ خیال کہ کچھ عرصے میں مکمل انتقال آبادی کے ذریعہ ہندوستان کو اِسلامی اثرات سے بالکل خالی کر دیا جائیگا اِسلام جیسے عالمگیر مذہب کے مشن اور اس کی روح اشاعت کے خلاف ہوگا ۔

ثانیاً یہ کہ ہمیں اسکا یقین کامل ہے کہ آل انڈیا فیڈریشن چاہے وہ موجودہ صوبوں کا ہو یا تہذیبی منطقوں کا یا ان حلقوں پر مشتمل ہو جو سر سکندر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب نے تجویز کیے ہیں مسلمانوں کی تقدیر اور سیاسی حالت کو منقلب نہیں کر سکتا ۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہندوؤں کی غالب اکثریت کے ماتحت ایک محکوم قوم بنکر رہینگے ۔ آل انڈیا فیڈریشن میں مسلمان کبھی آزاد نہیں رہ سکتے اور انکا کما حقہٗ تحفظ ناممکن ہے ۔ اور نہ ہی اِس بات کا امکان ہے کہ وہ اپنے مستقبل کو اپنی مرضی کے مطابق صورت دے سکیں ۔

آخراً ڈاکٹر لطیف صاحب نے جو دورِ عبوری تجویز کیا ہے ، وہ اسقدر طویل ہے ۔ اور اس طرح متعین ہوتا ہے کہ ہم سنجیدگی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنی جدّ وجہد میں کلیتہً ناکام رہینگے ۔

پس اپنے اجتماعی اور سیاسی مسائل کی حقیقت کے صحیح تصور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہندوستان میں اسلام کے مستقبل پر یقین کامل اور عزم بالجزم کے ساتھ ہم مندرجہ ذیل سکیم مسلمانانِ ہند اور تمام دُنیا کے سامنے غور و تفکر کے لیے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں ۔ لیکن اسکے بیان کرنے سے پہلے ان اساسات کا ذکر کرنا ضروری ہے جنپر یہ اسکیم مبنی ہے ہمیں یقین ہے کہ اسلامیانِ ہند کو اِن اُصولوں پر نہایت شدّت و سرگرمی سے مصر ہونا چاہیے ۔

(۱) مسلمانانِ ہند بجائے خود ایک مستقل قوم ہیں ۔ اور اُنکا ممتاز وجود ملّی ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلم گروہوں سے بالکل مختلف ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اس سے کہیں زیادہ مختلف ہیں جتنے سوڈیٹن جرمن چیکوں سے ۔

۲۔ مسلمانوں کا قومی مستقبل اور دُنیا کی فلاح و بہبود کے لیئے اُنکا اسلوب جدوجہد ساری دنیا سے جُداگانہ نوعیت کا ہے ۔

۳۔ مُسلمانانِ ہند کا مستقبل برطانیہ ۔ ہندو یا کسی اور گروہ کے تسلّط سے آزاد ہونے میں مضمر ہے ۔

۴۔ اسے ہرگز ہرگز گوارا نہیں کیا جا سکتا کہ واحد آل انڈیا فیڈریشن میں جہاں مرکز میں اکثریت ہندو ہوگی۔ مُسلمان اکثریت کے صُوبوں کو غلام بنایا جائے ۔

۵۔ یہ ناممکن ہے کہ مُسلم اقلیت کے صُوبوں میں مُسلمانوں کو اُن کی جُداگانہ مذہبی، تمدنی اور سیاسی تشخص سے محروم کر دیا جائے ۔ نیز یہ کہ مُسلم اکثریت کے صُوبے ہر ممکن اور مؤثر طریقہ سے ان کی معاونت اور امداد کرینگے ۔

پس ہندوستان میں ملّتِ اسلامیہ کو بچانے کے لیئے ہم صرف ایک ہی صحیح اور اساسی اصول قومیت پر ہندوستان کو از سرِ نو تقسیم کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں جس کی رُو سے ہندوستان کو اسلامی اور ہندو ہندوستان میں تقسیم کر دیا جائے ۔ نیز یہ کہ ہم ہندو انڈیا کے مسلمانوں کے مفاد کے تحفظ کے لیئے اپنی امکانی کوشش کریں۔ اِسی اُصول کی بناء پر برطانوی ہندوستان کا تین آزاد اور خودمختار ریاستوں میں منقسم ہونا ازبس ضروری ہے ۔

(۱) **شمال مغربی ہند** پنجاب ۔ سرحد ۔ سندھ اور بلوچستان پر مشتمل ہو ۔

(۲) **بنگال** ۔ بنگال اور متصلہ ضلع پورینہ (بہار) کمشنری سلہٹ (آسام) پر مشتمل ہو مگر ہاوڑہ اور میدناپور اور شمال مغربی ضلع واجلنگ کو بنگال سے خارج کر دیا جائے ۔

(۳) **ہندوستان** بقیہ برطانوی ہند پر مشتمل ہو۔ اور اس میں دو خودمختار صوبے بنائے جائیں ۔

الف ۔ صوبہ دہلی ۔ دہلی ۔ میرٹھ اور روہیلکھنڈ کی کمشنریاں اور ضلع علی گڑھ (قسمت آگرہ) سے لے کر اس میں شامل ہونا چاہیئے ۔

ب :۔ صوبہ مالابار ۔ مالابار اور ملحقہ ساحل مالابار کا علاقہ اس میں شامل ہو ۔

مزید برآں ہندوستان کے اِن قصبوں اور شہروں کو جن کی آبادی پچاس ہزار سے زاید ہو
(Free Cities آزاد شہروں کی حیثیت دینی چاہیئے۔

نیز ہندوستان کے دیہاتوں میں مسلمانوں کو معقول تعداد میں یکجا رہنا ہوگا۔

ہندوستانی یا دیسی ریاستیں جو مجوزہ تین ریاستوں میں سے کسی کی حدود کے اندر یا اس کی سرحد پر واقع ہیں وہ اس ریاست کا جزو ہوں گی۔

جو ایک سے زیادہ ریاستوں کی سرحد پر واقع ہوں اُنہیں اختیار ہوگا کہ جس ریاست سے چاہیں متعلق رہیں +

حیدرآباد اپنے قدیم مستعمرات برار اور کرناٹک سمیت ایک آزاد سلطنت شمار ہوگی بمسلکہ نقشہ میں مجوزہ ہندوستان کو متعین کیا گیا ہے اور چند توضیحی نوٹ درج کیے جاتے ہیں۔

شمال مغربی ہند میں کئی ریاستیں شامل ہوں گی یعنی قلات، جموں، کشمیر۔ بھاولپور۔ خیرپور پٹیالہ۔ جیند۔ نابھ، کپورتھلہ، مالیرکوٹلہ۔ فرید کوٹ اور شملہ کی پہاڑی ریاستیں، بشمول کشمیر اسے پاکستان کہا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ چند سال پیشتر، پاکستان کی فیڈریشن ایک اسلامی ریاست ہوگی اور اس میں ڈھائی کروڑ مسلمان شامل ہونگے یعنی مجموعی آبادی کا زاید از ۶۰ فیصدی۔ جغرافیائی، اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے یہ بجائے خود ایک مکمل وحدت ہوگی۔ اِس فیڈریشن کے حصول سے مسلمانانِ ہند پر ایک نئے اور زندگی بخش مستقبل کی راہ کھل جائے گی۔ پاکستان اسلامی ہند کا شمال مغربی بازو ہوگا +

پاکستان میں ہندو اور سکھ دو غیر مسلم اقلیتیں ہیں۔ اُنہیں وہی ثقافتی، سیاسی اور مذہبی تحفظات حاصل ہونگے جو ہندوستان کے مسلمانوں کو۔ سکھوں کا اس ریاست میں شمول بمقابلہ آل انڈیا فیڈریشن مجوزہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ زیادہ مفید ہوگا کیونکہ اِس طرح وہ بلحاظ تناسب، صوبوں اور مرکز میں اِس سے بدرجہا زیادہ تعداد میں ہونگے۔

پاکستان کے جُداگانہ وفاق کے مطالبہ کی کوئی معقول مخالفت نہیں کی جاسکتی، اگر یہ

مطالبہ منظور نہ کیا گیا تو ان صوبوں کے مسلمان حصولِ مقصد کے لیے ہر ممکن سعی اور پوری پوری جدّوجہد کرینگے ۔

جدید بنگال ایک اسلامی ریاست ہوگی۔ اِس میں تین کروڑ سے زیادہ مسلمان ہونگے ۔ جو باعتبار تناسب آبادی ۵۷ فیصدی ہونگے۔ جدید بنگال اپنی طبعی زرعی دولت کی وجہ سے پوری طرح اپنی ضروریات کا کفیل ہوگا۔ اُسکا رقبہ اور آبادی فرانس کے برابر ہوگی۔ مناسب صوبوں کے فقدان کی وجہ سے اس کی حکومت وفاقی نہ ہوگی بلکہ یہ خودمختار مملکت ہوگی۔ اس کی حیثیت برما سے متشابہ اور یہ اسلامی ہند کا مشرقی بازو شمار ہوگا۔

ہندوستان ایک ہندو ریاست ہوگا جس کی آبادی ساڑھے چوبیس کروڑ کے قریب ہوگی اس میں دو کروڑ ۳۰ لاکھ مسلمان بھی شامل ہونگے جو وہاں دس فیصدی کی اقلیت ہونگے۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم انکے مفاد کا اس حد تک سیاسی تحفظ کریں جتنا سرِدست ممکن ہے۔ ہمیں اس امر پر اصرار کرنا چاہیئے کہ ہندوستان کے اندر دو نئے صوبے بنائے جائیں۔ ایک شمال میں۔ دوسرا جنوب میں۔ یعنی دہلی اور مالابار۔

نئے بنے ہوئے صوبۂ دہلی میں مسلمان ۳۵ لاکھ ہونگے یعنی مجموعی آبادی کا ۲۸ فیصدی دراصل جب بھی وہ اقلیت ہی میں رہینگے لیکن بہرکیف وہ ایسی اہم اقلیت ہونگے جنہیں ہندو اکثریت آسانی سے نظرانداز نہیں کرسکے گی ۔

اِن حصوں کے مہذب اور تعلیم یافتہ مسلمان جن کی سرحد پاکستان کے مسلم فیڈریشن سے متصل ہوگی! مقابلتاً اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کے لیے بدرجہا زیادہ بہتر حیثیت میں ہونگے علی گڑھ جو مسلمانوں کا تعلیمی مرکز ہے۔ اس صوبے میں شامل ہونا چاہیئے کیونکہ ہم اسے بقیہ صوبۂ یوپی کے غیرمحفوظ حصے میں جہاں ہندو اکثریت ہوگی چھوڑنا گوارا نہیں کرتے ۔

صوبۂ مالابار احاطۂ مدراس کے جنوبی حصّے پر مشتمل ہوگا۔ علی الخصوص اس حصّے پر جو ساحل مالابار سے متصل ہے۔ اِس حصّے میں مسلمان کافی تعداد میں آباد ہیں۔ اس میں ان کی تعداد چودہ لاکھ ہے۔

مسلمان جو مجموعی آبادی کا ۲۷ فیصدی ہونگے انکا اِس صوبے سے بہت بڑا تجارتی مفاد وابستہ ہے۔ اور انہیں بلحاظ تہذیب نہایت اہم حیثیت حاصل ہے۔ مزید براں وہ ایک بہادر نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور ایسی اہم اقلیت خود اپنے مفاد کی حفاظت موجودہ حالت سے بدرجہا بہتر طریق پر کرسکتی ہے۔

ہندوستان میں مسلمان زیادہ شہروں میں آباد ہیں اور ان کی تعداد معقول ہے۔ ہم انہیں ہندو حکومت کے رحم وکرم پر چھوڑنا گوارا نہیں کرسکتے۔ بدیں وجہ اُنکے مفاد کی حفاظت ازبس ضروری ہے اگر انکو اُنکے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنی راہ خود پیدا کرلینگے۔ سردست انکے لیئے جو کچھ کیا جاسکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ صوبجاتی اور مرکزی ہندو حکومتوں کی ناجائز مداخلت کو روکدیا جائے۔ یہ بطریق احسن اِس طرح انجام پاسکتا ہے کہ جن شہروں کی آبادی پچاس ہزار یا اِس سے زیادہ ہو انکو آزاد شہروں کی حیثیت دے دی جائے۔ ان کی اپنی پولیس اور مجسٹریسی ہوگی۔ اور قانون سازی اور انتظامی معاملات میں وہ بڑی حد تک خود مختار ہونگے۔ اِس طرح ساڑھے بارہ لاکھ مسلمانانِ ہند کا تحفظ کیا جاسکتا ہے۔

ہندوستان کے مواضعات میں جو مسلمان آباد ہیں انہیں اِس امر کی ترغیب دینی چاہیئے کہ وہ موجودہ ناقابلِ اعتنا اقلیت کی صورت میں منتشر نہ رہیں۔ اُنہیں مجبور کرنا چاہیئے کہ وہ مسلم دیہات میں مجتمع ہوکر کثیر تعداد میں رہائش اختیار کریں۔ صرف اِسی صورت میں اُنکے ثقافتی اور اقتصادی مفاد کا تحفظ ہوسکتا ہے۔ علاوہ ازیں اجتماعی، تعلیمی اور اقتصادی منفعت کے لیئے مفید تعمیری پروگرام مسلم مواضعات میں فوراً شروع کردینے چاہئیں۔ اور ان سے محولہ بالا غایت کے حصول میں مدد ملیگی۔ نیز یہ کہ وہاں کے مسلمانوں کی حالت میں فوری بہتری کی صورت پیدا ہوگی۔

متذکرہ صدر تین ریاستیں یعنی پاکستان، بنگال اور ہندوستان ایک باہمی دفاعی اور جارحانہ میثاق کریں گی جو مندرجۂ ذیل اساس پر مبنی ہوگا۔

۱۔ ایک دوسرے کی حیثیت کو تسلیم کرنا اور مساویانہ سلوک۔

۲۔ یہ کہ پاکستان اور بنگال مسلمانوں کے ملّی وطن تسلیم کیئے جائیں اور ہندوستان ہندوؤں کا

وطن شمار ہو۔ جہاں وہ بہ ترتیب مذکورہ حسب منشاء انتقال رہائش کرسکیں ۔

۳۔ ہندوستان میں مسلمانوں کو ایک جداگانہ قوم تسلیم کیا جائے جسکا قلیل حصہ ہندوستان میں اور بڑا جزو پاکستان اور بنگال میں ہے۔

۴۔ ہندوستان کی مسلم اقلیت اور پاکستان اور بنگال کی غیر مسلم اقلیتوں کو حسب ذیل حقوق دیئے جائیں۔

(۱) نمائندگی بلحاظ آبادی۔

(۲) ہر حالت میں جداگانہ انتخاب نمائندگی نیز تینوں ریاستوں کے مذہبی، تمدنی اور سیاسی تحفظات۔

نوٹ۔ جداگانہ نمائندگی باعتبار آبادی ہر قابل اعتنا اقلیت کو تینوں ریاستوں یعنی پاکستان، بنگال اور ہندوستان میں دی جاسکتی ہے مثلاً سکھ، عیسائی، اچھوت وغیرہ۔

۵۔ ایک ذمہ دار مسلم سیاسی ادارہ ہندوستان کے مسلمانوں کا نمائندہ تسلیم کیا جائے۔

پاکستان، بنگال اور ہندوستان کی ہر ایک ریاست برطانیہ کے ساتھ جداگانہ معاہدہ کریگی۔ اور بشرط ضرورت جدا جدا برطانوی نمائندے تینوں کے لیے مقرر ہونگے ایک مشترکہ مجلس صلح بنائی جائیگی۔ جو تینوں حکومتوں کے باہمی و حکومت برطانیہ کے مابین قضیوں کو فیصل کریگی۔ ریاست حیدرآباد ہندوستانی ریاستوں میں ایک مخصوص مرتبہ رکھتی ہے۔ یہ سلطنت برطانیہ کی حلیف و مددگار قرار دی جاتی ہے۔ اور اس کا فرماں روا ہز اگزالٹیڈ ہائنس کا مخصوص خطاب رکھتا ہے۔ فی الحقیقت معاہدوں کی رو سے یہ خود مختار حکومت ہے، برار اور کرناٹک برطانیہ نے حیدرآباد سے انتظامی امور کی بنا پر لیے تھے۔ اب جبکہ حکومت برطانیہ ہندوستان کو اسکے حقیقی مالکوں کے سپرد کر رہی ہے۔ حیدرآباد کو اس کی مستعمرات واپس ملنا چاہئیں اور حیدرآباد کی خود مختارانہ حیثیت کو تسلیم کرنا چاہیئے۔ کم از کم اس درجے تک جو نیپال کا ہے۔ کرناٹک کی واپسی سے حیدرآباد کو ساحل سمندر بھی ملجائیگا۔ اور حیدرآباد قدرتی طور پر اسلامی ہند کا جنوبی بازو بنجائے گا۔

نقشہ آبادی مجوزہ تقسیم ہند

نام	حدود	غیر آبادی	مسلمان
پاکستان	پنجاب صوبہ سرحد سندھ بلوچستان ریاستیں کشمیر وجموں۔ منڈی۔ چمبا۔ سوکیت۔ سرمور۔ فریدکوٹ۔ نابھہ۔ جھند۔ پٹیالہ۔ کپورتھلہ۔ مالیر کوٹلہ۔ چترال، دیر۔ قلات۔ لوہارو۔ بلاس پور۔ شملہ کی پہاڑی ریاستیں۔ بھاول پور وغیرہ۔	۳۹٫۲۷۴٫۲۴۴	۲۳٫۶۹۷٫۵۳۸
بنگال	بنگال (جس میں سے ہوڑہ اور مدناپور کے ضلع خارج کردیے گئے ہوں) ضلع پورینہ (بہار)، سلہٹ کمشنری (آسام)	۵۲٫۵۰۷٫۲۳۲	۳٫۱۱۸٫۱۸۴
ہندوستان	برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستیں (جس میں سے حیدرآباد، پاکستان بنگال اور ان کی مشمولہ ریاستیں خارج کردی گئی ہوں)	۲۱۶٫۰۰۰٫۰۰۰	۳۰٫۹۶۰٫۰۰۰
دہلی	دہلی میرٹھ کمشنری روہیلکھنڈ کمشنری۔ ضلع علی گڑھ	۱۲٫۶۶۰٫۰۰۰	۳٫۵۲۰٫۰۰۰
مالابار	مالابار۔ جنوبی کنارہ (مدراس)	۴٫۹۰۰٫۰۰۰	۱٫۴۴۰٫۰۰۰
شہر		—	۱٫۳۸۸٫۶۹۸
حیدرآباد		۲۹٫۰۲۵٫۰۹۰	۲٫۴۲٫۰۱۰

[illegible]

فیصدی مسلمان	تشریح
۶۰٫۳	اس کی ایک آزاد سلطنت اور جداگانہ فیڈریشن ہوگی۔ جس کا معاہدہ بنگال۔ حیدرآباد اور ہندوستان سے اور براہِ راست معاہدہ برطانیہ سے ہوگا۔ پاکستان کے تمام حصوں میں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے۔
۵۷٫۰	برما کی طرح ایک آزاد سلطنت ہوگا۔ جس کا پاکستان۔ حیدرآباد اور ہندوستان سے اور براہِ راست برطانیہ سے معاہدہ ہوگا۔ اس میں ضلع پورنیہ (بہار) اور کمشنری سلہٹ (آسام) شامل ہوں گے کیونکہ ان میں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے۔ اور اس میں سے ہورہ اور مدناپور کے ہندو اکثریت کے اضلاع خارج کردیئے جائینگے۔
۹٫۷	یہ ایک آزاد سلطنت اور ایک جداگانہ فیڈریشن ہوگی جس کا معاہدہ پاکستان۔ بنگال اور حیدرآباد سے اور نیز براہِ راست معاہدہ برطانیہ سے ہوگا۔ ہندوستان میں ہندو اکثریت کی سلطنت ہوگی۔
۲۸٫۰	دہلی ایک نیا اور خودمختار صوبہ ہندوستان کے اندر بنے گا۔ میرٹھ اور روہیلکھنڈ کی کمشنریاں۔ موثر مسلم اقلیتیں رکھتی ہیں۔ اس صوبہ میں علی گڑھ شامل ہونا چاہیئے کیونکہ یہاں مسلم یونیورسٹی ہے
۲۷٫۰	مالابار کا ایک نیا خودمختار صوبہ بنے گا جو ہندوستان میں ہوگا۔ اس میں ایک موثر مسلم اقلیت ہوگی۔
—	ہندوستان۔ پاکستان اور بنگال کے وہ شہر جن میں پچاس ہزار یا اس سے زاید آبادی ہے۔ ان کو آزاد شہر یا (Borough) کا مرتبہ دیا جائے۔ جس میں بڑی حد تک آزادی ہو۔
۷٫۳	حیدرآباد بشمول ممالک محروسہ برار اور کرناٹک ایک آزاد سلطنت ہو جس کا معاہدہ پاکستان بنگال اور ہندوستان سے اور براہِ راست معاہدہ برطانیہ سے ہو۔ کرناٹک سے حیدرآباد کو سمندر کو راستہ ملجائیگا۔

دارالاسلام کے تاثرات

شروع اکتوبر میں دارالاسلام کو بچشم خویش دیکھنے کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔ دامنِ کوہ ایک بہت بڑی نہر کا کنارہ۔ ہرطرف سبزہ زار، فضا بہت پاکیزہ، ہوا صاف، ماحول میں تسکین بخش خاموشی۔ ایسے جنت نگاہ مقام میں ایک وسیع مسجد۔ کتب خانہ، دارالمطالعہ، طلباء کے لیئے دارالاقامہ۔ اساتذہ کے لیئے رہائشی مکانات، وسیع میدان۔ طویل وعریض خوشنما باغ۔ یہ ہے دارالاسلام کی مادّی تصویر۔ محترمی چودہری نیاز علی صاحب کے متعلق میں کچھ لکھنا نہیں چاہتا کہ وہ ذاتی تعلقات پر محمول کیا جاسکتا ہے، سردست مولوی محفوظ الرحمٰن صاحب بھرایچ سے تشریف لاکر دارالاسلام میں اقامت پذیر ہیں اپنے ساتھ چند ایک طلبا بھی لائے ہیں۔ چھ سات طلباء مضافات کے بھی آگئے ہیں۔ بارہ تیرہ کے قریب طالبعلم پانچ چھ کھڈیوں پر پارچہ بافی کا کام سیکھتے ہیں۔ دو ایک بوٹ سازی کا کام کرتے ہیں۔ اور تمام کے تمام اس نصاب کے مطابق تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ جس کی رُو سے۔ مولوی صاحب کے اندازہ کے مطابق دو سال کی مدت میں یہ طالب العلم مساجد کی امامت کے اہل بن جائیں گے۔ اور ساتھ ہی دستکاری اس قدر سیکھ جائینگے۔ کہ معاش کے معاملہ میں کسی کے دست نگر نہ ہوں۔ یہ سب کچھ ایک شخص کی ہمت کا نتیجہ ہے۔ اور اگرچہ اِس نصب العین کے مقابلہ میں جو وابستگانِ تحریکِ دارالاسلام کے پیشِ نظر ہے۔ یہ کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ لیکن جب اِس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ یہ نتیجہ ہے ایک مردِ مسلمان کے جذبۂ ایثار و اخلاص کا۔ تو اس کی قیمت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ ضرورت ہے ایسے دردمند مسلمانوں کی جو اس تحریک کے دست و بازو بنیں۔ اور سب سے بڑی تلاش ہے اس مردِ مومن کی جو اِس کے قلب کی حیثیت اختیار کرسکے ؂

ازدام ودد ملولم وانسانم آرزوست !

پرویز

تبصرہ

برگ سبز کسی کو خواجہ احمد الدین مرحوم کے بعض خیالات سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو کوئی خادم قرآن کریم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن کریم کے بعض مقامات میں ان کی تحقیق اجتہاد کا مرتبہ رکھتی ہے۔ ان مقامات میں سب سے اہم گوشہ مسئلہ وراثت ہے اور خواجہ صاحب نے اس باب میں فی الواقعہ قابل ستائش محققانہ نگاہ سے کام لیا ہے مروجہ فقہ کی رو سے یتیم پوتا دادا کی جائداد سے کوئی حصہ نہیں پاتا۔ خواجہ صاحب نے قرآنی دلائل سے اس مسئلہ کی تردید نہایت حسن و خوبی سے کی اور اس موضوع پر متعدد رسائل شائع کئے۔ زیر نظر رسالہ ان کے ایک غیر مطبوعہ مسودہ پر مشتمل ہے جو رسالہ البیان (امت مسلمہ امرتسر) کے ستمبر نمبر کی شکل میں شائع ہوا ہے۔ جسکا مطالعہ ہمارے خیال میں ہر اس مسلمان کے لیے فائدہ مند ہوگا جو قرآن کریم کے احکام وراثت کا جاننا ضروری سمجھتا ہو۔ اس باب میں ہم امت مسلمہ کی خدمت میں ایک مخلصانہ مشورہ ضروری سمجھتے ہیں۔ خواجہ صاحب کو بے شک قرآن کریم سے خاص ذوق تھا لیکن وہ صاحب قلم نہیں تھے۔ اس لیے ان کی تحریر میں اُلجھاؤ اور اسلوب نگارش میں پریشانی ہوتی ہے جو بعض اوقات اس حد تک پہونچ جاتی ہے کہ انکا مافی الضمیر ہی سمجھ میں نہیں آتا۔ بالخصوص ایسے موضوعات میں جو اصطلاحی اور فنی ہوں۔ چنانچہ رسالہ زیر نظر میں تحریر کی یہی پریشانی اس کی افادی حیثیت کو بڑی حد تک زائل کر رہی ہے۔ چاہیے یہ کہ خواجہ صاحب کے خیالات کو سلجھی ہوئی عبارت میں از سر نو تحریر کر کے شائع کیا جایا کرے۔ اس سے مقاصد پیش نظر بڑی آسانی سے حل ہو جائیں گے۔ مطلب تو خواجہ صاحب کی قرآنی تحقیقات کے نتائج کی نشر و اشاعت ہے نہ کہ ان کی تحریرات کی حفاظت۔ امید ہے کہ ارباب امت مسلمہ اس عرضداشت پر غور فرمائینگے

رسید کتب موصولہ

(۱) **علم بدن**۔ تشریح الابدان اور حفظان صحت کے متعلق ۲۰۸ صفحہ کا رسالہ مصنفہ ڈاکٹر ایم یاسین صدیقی۔ قیمت عہ ملنے کا پتہ:۔ صدیق بکڈپو اندرون پاک دروازہ ملتان شہر۔

(۲) **انبیاء کے دو دشمن**۔ یعنی حکام وقت اور سرمایہ دار۔ مرتبہ غلام نبی صاحب مسلم بی اے۔ مکتبہ اسلامیہ۔ اندرون۔ موچی دروازہ لاہور۔ قیمت ۴ر

(۳) **مسلمان اور سائنس** از خان بہادر ابو عبداللہ محمد ذکاء اللہ خاں صاحب ایم۔ اے۔ دنیا۔ ۲۴ صفحات قیمت ۴ر

(۴) **اشجات القرآن** یعنی تلخیص مفید من القرآن المجید۔ از خان بہادر صاحب موصوف۔ ۱۷ صفحات قیمت ۸ر

(۵) **البدائع المفیدہ فی حکم الصنائع الجدیدہ** مؤلفہ مولوی مفتی محمد شفیع صاحب۔ مدرس دارالعلوم دیوبند۔ قیمت آٹھ آنہ

مکبر الصوت (لاؤڈ سپیکر) ریڈیو۔ گراموفون۔ وغیرہ کے متعلق ٹھیٹھ مولویانہ فتاویٰ کا مجموعہ۔

دارالعلوم دیوبند اور مولانا حسین احمد صاحب

جناب مکرم مدیر صاحب "طلوع اسلام" دامت مکارہم

بعد سلام مسنون آنکہ شعبان المعظم کے "طلوع اسلام" میں میرا ایک مکتوب "عصر جدید" سے نقل کرنے کے بعد حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی شرکت کانگریس کی نسبت سوال کیا گیا ہے جو بالکل قدرتی طور پر کیا جانا چاہیئے تھا۔ لیکن پہلے اس کا اعلان یہاں سے متعدد بار کیا جا چکا ہے کہ حضرت مولانا ممدوح کی ذات کی استثناء ان شروط کی بنا پر ہے جو اب سے تیرہ چودہ سال پہلے وہ اپنے تقرر کے وقت دارالعلوم کے ارباب اقتدار سے طے کر چکے تھے۔ وہ زمانہ جناب مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے اہتمام اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کی سرپرستی کا تھا۔ پھر مہتممین مرحومین کی وفات کے بعد ان شروط کی تجدید مولانا محمد طیب صاحب کے عہد اہتمام میں ہوئی۔

حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب مرحوم کی صدارت تدریس سے علیحدگی کے بعد غالباً دارالعلوم کے ارباب اہتمام کے نزدیک کوئی ہستی مولانا حسین احمد صاحب سے زیادہ اس عظیم الشان علمی مسند کو زینت دینے کیلئے موجود نہ تھی۔ یا ہاتھ نہ آسکتی تھی۔ اس لئے انہوں نے مولانا ممدوح کی ممتاز و کارآمد شخصیت اور انکے کمالات و محاسن کے مقابلہ میں دارالعلوم کے عام معمول اور مسلمہ پالیسی کی طرف سے قدرے اغماض برتنے کو جائز سمجھا اور ایک کلی منفعت کی خاطر جزئی مضرت کی پروا نہیں کی۔ اسی نظریہ کے ماتحت آج اُن کا یہ استثنا قائم ہے۔

فی الحقیقت کسی خاص شخص کو خصوصی حالات کی بناء پر کس حد تک عام قواعد و ضوابط سے مستثنیٰ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار صرف مجلس اعلیٰ شورائیہ دارالعوام کو حاصل ہے اور وہی اس سلسلہ میں مخاطب بن سکتی ہے

والسلام (دستخط حضرت مولانا) شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

از دیوبند ضلع سہارنپور ۱۰ رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۸ھ

استدراک

ہمنے شعبان المعظم کے پرچہ میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے مکتوب گرامی پر جو نوٹ لکھا تھا اس میں روئے سخن دار العلوم دیوبند کی مجلس عاملہ ہی کی طرف تھا۔ بایں ہمہ ہم حضرت مولانائے عثمانی کے شکرگذار ہیں کہ انہوں نے طلوع اسلام کو درخورِ نظر التفات تصور فرمایا۔ مولانا حسین احمد صاحب کے تقرر کے وقت کونسی شروط طے ہوئیں۔ اس سے ہمیں بحث نہیں۔ لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ آج سے تیرہ چودہ برس پیشتر کے حالات اور ملک کے موجودہ سیاسی رجحانات و کوائف میں بیّن فرق ہے۔ آج مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ نظریہ قومیت پرستی ہے۔ جو خود مولانائے عثمانی صاحب کے الفاظ میں۔ ملت اسلامیہ کے لئے "خودکشی کے مرادف" ہے۔ یہ نظریہ اس زمانہ میں مسلمانوں کے سامنے کبھی اس شدومد سے پیش نہیں کیا گیا۔ جیسا آج کل پیش کیا جا رہا ہے قومیت پرستی کا یہ عجمی تصور حال ہی کی پیداوار ہے اور مولانا حسین احمد صاحب کا سب سے بڑا قومی جرم یہ ہے کہ انہوں نے اس غیر اسلامی نظریہ کو شرعی حیثیت دیکر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ اب اس کے بعد دیکھئے کہ وہ مضرت جسے مولانا انور شاہ صاحب مرحوم نے اس زمانے کے حالات کے پیش نظر محض "جزئی" تصور فرمایا تھا آج محض جزئی ہے یا کلی بن چکی ہے۔ دار العلوم دیوبند مسلمانانِ ہند کی مذہبی تعلیم کا سرچشمہ تصور کیا جاتا ہے۔ وہاں کے فارغ التحصیل طالبعلم ملک کے اطراف و اکناف میں مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ بوجہ ائمہ مساجد اور منجملہ زمرۂ علمائے کرام ہونے کے عوام کے نزدیک ان کا ہر قول و فعل شرعی سند رکھتا ہے یہ طالب علم دوران قیام دیوبند میں جو کچھ کتابوں میں پڑھتے ہیں انکے قلوب و اذہان اس سے کہیں زیادہ ان کے اساتذہ کے مسلک اور عملی زندگی سے متاثر ہوتے ہیں۔ ذرا تصور میں لایئے اس حقیقت کو کہ مولانائے مدنی صاحب بہ حیثیت شیخ الحدیث دار العلوم میں قیام پذیر ہیں سینکڑوں طالبعلم انکے مسلک و عمل ص سے پھر ملک کے گوشے گوشے میں عام مسلمانوں میں اثر پذیر ہوتے ہیں اور یہ مسلک اور عمل وہ ہے جو حضرت مولانائے عثمانی کے الفاظ میں امتِ مسلمہ کے لئے "خودکشی کے مرادف" ہے نتیجہ ظاہر ہے۔ یہ مضرت پہلے وقتوں میں جزئی ہو تو ہو۔ اس وقت تو یہ کلی حیثیت اختیار کئے ہوئے ہے۔

ص سے اثر لیتے ہیں اور اپنی آئندہ زندگی کیلئے اُسے نمونہ قرار دیتے ہیں۔ ان طلباء کے مسلک و عمل

اور اس کے مقابلہ میں وہ منفعت جو مولانا حسین احمد صاحب کے سلسلہ درس و تدریس سے حاصل ہوتی ہے بالکل جزئی رہ گئی ہے اگر ہمیں دارالعلوم دیوبند کے ارباب اقتدار اس صاف گوئی سے معاف فرمائیں تو ہم عرض کرنے کی جرأت کریں کہ آج ملک میں وطنیت ۔ قومیت پرستی اور متحدہ قومیت کا جو فتنہ جوالا مکھی طرح پھوٹ کر بہ رہا ہے اس کی بہت بڑی ذمہ داری بالواسطہ دارالعلوم پر عائد ہوتی ہے اس لئے کہ ان نظریوں کو شرعی سند عطا فرمانے کا سہرا مولانا حسین احمد صاحب ہی کے سر ہے اور اس سند کی وقعت ان کی ذاتی حیثیت سے نہیں بلکہ شیخ الحدیث ہونے کی جہت سے ہوتی ہے آج ہندو کے پاس مسلمانوں کو فریب دینے کا سب سے بڑا حربہ یہ دلیل ہے کہ دیکھو تمہارے مذہب کے علماء مسلکِ متحدہ قومیت کے عملی مؤید ہیں ۔ عوام کے پاس اس دلیل کا کوئی جواب نہیں ہوتا اور یوں ہندو اپنے مقاصد میں کامیاب ہو رہا ہے ۔ ملک میں جہاں کہیں آپ کو نیشنلسٹ مولوی ملیں گے وہ بالعموم دیوبند کی پیداوار ہوں گے اور یہی وہ حضرات ہیں جو مسلمانوں میں متحدہ قومیت کا اسلام سوز نظریہ پھیلانے اور قوم میں تشتت و افتراق کا بیج بونے کے موجب بن رہے ہیں ۔ افسوس کہ دارالعلوم دیوبند کے ارباب اقتدار نے اس خطرناک مضرت کا احساس نہ کیا ورنہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت آج سے بالکل مختلف ہوتی ۔ ان حضرات کو یہ بھی شکایت ہے کہ دارالعلوم کی طرف مسلمانوں کی وہ پہلی سی توجہ نہیں رہی اور عوام کے دلوں سے رفتہ رفتہ علمائے کرام کی عزت اٹھ رہی ہے ۔ لیکن انہوں نے کبھی اس پر غور کرنے کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی کہ اس کے لئے خود یہ حضرات کس حد تک ذمہ دار ہیں ۔ مسلمان اپنے تعلیمی اداروں کو آج بھی اسی ارادت و عقیدت کی نظر سے دیکھنے کے متمنی ہیں اور علمائے اسلام کی عزت و تعظیم کے لئے ان کے قلوب اسی تڑپ سے رقصاں ہیں ۔ لیکن ان کا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ یہ ادارے اور ان کے فارغ التحصیل علماء ان کے لئے ملی خودکشی کے سامان توفراہم نہ کریں ۔ خدا کرے کہ ارباب دارالعلوم ہماری ان معروضات پر جن کا محرک خالصتاً جذبۂ اخلاص و درد ہے ۔ ٹھنڈے دل سے غور فرمانے کی کوشش کریں ۔

پیامِ مشرق

از علامہ حافظ محمد اسلم صاحب جے راج پوری

ڈاکٹر اقبال کا یہ تازہ[1] دیوان میں نے پڑھا۔ مجھے اس سے جو حظ اور لطف حاصل ہوا وہ بیان سے باہر ہے لیکن بعض احباب کا اصرار ہے کہ میں اس کو تحریر میں لاؤں۔ اس لیے سرسری طور پر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔ اس کو نہ تنقید سمجھنا چاہیے نہ تقریظ۔

یہ دیوان جرمنی کے مشہور شاعر گوئٹے کے دیوان کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ جرمن زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے چوں کہ میں گوئٹے سے آشنا نہیں ہوں اس لیے مقابلے کی جلوہ آرائی کا لطف نہیں اُٹھا سکا۔ لیکن مشرقی شاعری کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ اُس نے مغرب کو مخاطب کیا، اور ایشیا کے سینے کی برقی حرارت یورپ کے برفستان میں پہونچانے کی کوشش کی۔

دیباچہ شروع میں ایک چھوٹا سا دیباچہ ہے جس میں گوئٹے کی شاعری میں جو مشرقی رنگ ہے اس کا ذکر کیا ہے۔ اسی ذیل میں جرمن ادبیات پر عجمی شاعری کا جو اثر پڑا ہے اس کی نہایت مختصر تاریخ لکھی ہے۔ یہ مضمون مفید اور پُر از معلومات ہے۔ اگر جُداگانہ بسط کے ساتھ لکھا جائے تو نہایت کارآمد ہو۔ چوں کہ دیوان فارسی میں ہے اس لیے اگر دیباچہ بھی بجائے اردو کے فارسی میں ہوتا تو زیادہ بہتر تھا۔

زبان ڈاکٹر صاحب نے جب فارسی زبان میں شعر گوئی اختیار کی تو شروع شروع میں ان کی بعض مثنویوں کی زبان پر لوگوں نے اعتراضات کیے۔ لیکن اب اُنہوں نے اپنے ذہن وقاد اور طبع نقاد سے زبان میں ایسی لطافت اور شستگی پیدا کر لی ہے کہ صائب اور نظیری کے رنگ میں آ گئے۔ اس تمام مجموعے میں زبان کی صفائی اور پختگی اور کلام کی بے ساختگی اور برجستگی پر مشکل سے کہیں انگلی رکھی جا سکتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ہندوستان میں رہ کر فارسی زبان کو جو اظہار خیالات کا ذریعہ بنایا ہے حقیقت میں

---

[1] یہ مضمون آج سے پندرہ سال پہلے لکھا گیا تھا جب کہ پیامِ مشرق پہلی بار شائع ہوا تھا۔

انھوں نے کوہکنی کی زحمت گوارا کرکے ایشیائی اقوام مسلمہ کے لیے جو بالعموم فارسی سمجھتی ہیں اپنی فائدہ رساں تعلیمات کی ایک جوئے شیر نکالی ہے ورنہ آج یہ نہ کہہ سکتے ؎

نوائے من بہ عجم آتش کہن افروخت　　عرب زنغمۂ شوقم ہنوز بے خبر است

لیکن مجھے یقین ہے کہ جب اٹالین اور انگریزی وغیرہ مغربی زبانوں میں کلام اقبال کے ترجمے ہو رہے ہیں تو اہل مصر جو اس معاملے میں یورپ کے کسی ملک سے پیچھے نہیں ہیں اور جنھوں نے ٹیگور تک کا ترجمہ عربی میں کر لیا ہے اس اپنی بضاعت مزیہ کو عربی میں منتقل کیے بغیر نہیں رہیں گے۔

شاعری | بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ شاعری وہی اچھی ہوتی ہے جو زمانہ جاہلیت میں ہوتی ہے۔ لیکن میرے نزدیک ع

دکانِ عاشقی را بسیار مایہ باید

بے شک جاہلی شاعری کی زبان میں سادگی اور طرزِ ادا میں بے ساختگی ہوتی ہے لیکن شعر کی خوبی انھیں چیزوں پر محدود نہیں ہے بلکہ ان کے سوا اس میں معنوی خوبیاں بھی ہوتی ہیں جو زیادہ قدر کے قابل ہیں۔ اور یہ بلا علم کے پیدا نہیں ہو سکتیں۔ خواجہ حافظ کہتے ہیں ؎

با فہم و عقل و دانش داد سخن تواں داد　　چوں جمع شد معانی گوئے بیاں تواں زد

ذوقِ صحیح جذبات عالیہ کی ان لطیف تحریکات پر وجد کرتا ہے جن سے دل کے تار بجتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ڈاکٹر اقبال کی شاعری اہل فہم کی دماغی راحت اور روحانی لذت کے لیے ایک میوۂ پُرمایہ ہو گئی ہے کیوں کہ وہ علوم دینی و دنیوی اور مشرقی و مغربی کے مجمع البحرین ہیں۔ ذوق صحیح۔ دل دردمند اور طلاقتِ لسانی رکھتے ہیں۔ ان کی چشم بصیرت انسانی خیالات کی انتہائی بلندیوں پر پہنچی ہوئی ہے اور ان کے دیدۂ تخیل کے سامنے سے زمین سے آسمان تک کے پردے اُٹھے ہوئے ہیں۔ وہ عرش کے پایوں میں جھولتے ہیں۔ مرغانِ اُولیٰ اجنحہ کے ساتھ اُڑتے ہیں۔ ساکنان حرم قدس سے ملتے ہیں۔ بزم انجم و کواکب کی رموز سنتے ہیں۔ شبنم اور آفتاب کے باہمی راز۔ گل و بلبل کے راز و نیاز اور شمع و پروانہ کے سوز و ساز سے آشنا ہیں۔ پہاڑوں کی چٹانوں میں برق کی موجیں۔ سمندروں کی موجوں میں زندگی کی لہریں۔ قطرۂ

اشک ہیں سوزش دل کا تب و تاب اور دانۂ گوہر ہیں حیات معنوی کی آب دیکھتے ہیں۔

غرض عالمستان معنی ہے جس کے چپے چپے اور گوشے گوشے سے جواہر پارے چنتے ہیں اور جذبات ملیہ و دینیہ کا پیکرستاں تیار کرتے ہیں۔ ان کی نگاہ اس قدر تیز ہیں ہے کہ ایک ہی چیز پر نہیں رکتی بلکہ نتائج سے اسباب اور اسباب سے متعلقات پر بلندی سے پستی تک اور خشکی سے تری تک ایک ساتھ دوڑ جاتی ہے۔

تہدیہ | کتاب کو کسی کے نام سے معنون کر دینا ایک عام رسم ہو گئی ہے۔ حالاں کہ اس کا موقع صرف وہ ہے جب کہ کتاب کے مقصد کو اس سے مدد مل سکے۔ ورنہ اہل نظر اس کو کتاب کی خواری اور مصنف کی سبکساری کی دلیل سمجھتے ہیں۔

اس سے پیشتر ڈاکٹر صاحب کی ایک مثنوی کا تہدیہ میری نظر سے گزرا تھا جس کو دیکھ کر مجھے حیرت ہو گئی تھی کہ اللہ اکبر۔ اسرار خودی کی تعلیم۔ اور اس پر یہ بے خودی ؎

چو روئے خویش در آئینہ می توانی دید　　چرا نظر بہ جمال کسے دگر داری

شکر ہے کہ اس دیوان کے بارے میں مجھے یہ شکایت نہیں ہے کیوں کہ اس میں اُنھوں نے کسی شخص کو نہیں بلکہ درحقیقت ایک قوت کو خطاب کیا ہے۔ جو اُن تعلیمات کی جو اس کتاب میں دی گئی ہیں صحیح مخاطب ہے یعنی امیر امان اللہ خاں فرمانروائے افغانستان۔

کتاب کا مضمون اور انداز نہایت دلکش اور بلیغ ہے۔ عالم اسلامی کی موجودہ حالت کا صحیح نقشہ صرف چند شعروں میں کھینچ دیا ہے۔

دیدۂ اے خسرو کیواں جناب　　آفتاب ما توارت بالحجاب

ابطحی در دشت خویش از راہ رفت　　از دم او سوز الا اللہ رفت

مصر یاں افتادہ در گرداب نیل　　سست رگ تورانیان زندہ پیل

آل عثماں در شکنج روزگار　　مشرق و مغرب ز خونش لالہ زار

عشق را آئینِ سلمانی نماند　　خاکِ ایراں ماند و ایرانی نماند
سوز و سازِ زندگی رفت از گلش　　آں کہن آتش فسرد اندر دلش
مسلم ہندی شکم را بندۂ　　خود فروشے دل زدیں برکندۂ
در مسلماں شانِ محبوبی نماند　　خالد و فاروق و ایوبی نماند

درخواست یہ ہے:

اے ترا فطرت ضمیرِ پاک داد　　از غمِ دیں سینۂ صد چاک داد
جانِ تو بر محنتِ پیہم صبور　　کوش در تہذیبِ افغان غیور
تا ز صدیقاں ایں امت شوی　　بہرِ دیں سرمایۂ قوت شوی

لالہ طور | دیوان کا پہلا جزء ہے اس میں ۱۵۵ قطعات ہیں جو ایک ہی وزن پر ہیں۔ یہ فلسفۂ زندگی کے اسرار اور معدن حکمت کے گوہر ہائے آبدار ہیں۔ دو چار درج کرتا ہوں۔

دلِ من روشن از سوزِ درون است　　جہاں بیں چشمِ من از اشکِ خون است
ز رمزِ زندگی بے گانہ تر باد　　کسے کو عشق را گوید جنون است

دما دم نقشہائے تازہ ریزد　　بیک صورت قرار زندگی نیست
اگر امروزِ تو تصویرِ دوش است　　بخاکِ تو شرارِ زندگی نیست

مگو کارِ جہاں نا استوار است　　ہر آنِ ما ابد را پرورش دار است
بگیر امروز را محکم کہ فردا　　ہنور اندر ضمیرِ روزگار است

رمیدی از خداوندانِ افرنگ　　ولے بر گور و گنبد سجدہ پاشی
بہ لالائی چناں عادت گرفتی　　ز سنگِ راہِ مولائے تراشی

افکار | دیوان کا دوسرا جز کم و بیش ۴۰ صفحے ہے۔ اس میں مختلف عنوانات پر نظمیں ہیں۔ ہلالِ عید کے متعلق کہتے ہیں :-

نتواں ز چشم شوق رمید ای ہلالِ عید | از صد نگہ براہِ تو دامے نہادہ اند
بر خود نظر کشا زتہی دامنی مرنج | در سینۂ تو ماہِ تمامے نہادہ اند

تسخیر فطرت کے عنوان سے ابلیس و آدم کا جو قصّہ لکھا ہے اس کا پرداز نہایت شاندار ہے۔ سجدہ سے انکار کے وقت ابلیس کا متکبرانہ لہجہ اس کی تعلّی کی کیسی عجیب تصویر ہے۔

نوری نادان نیم سجدہ بآدم برم | او بہ نہاد است خاک من بہ نژاد آذرم
می تپد از سوزِ من۔ خونِ رگِ کائنات | من بہ دو صرصرم۔ من بہ غوِ تندرم
من ز تنک مایگاں گدیہ نکردم سجود | قاہرِ بے دوزخم۔ داورِ بے محشرم

آدم ایک نافرمان لڑکے کی طرح جو باپ کے گھر سے نکلنے پر آزادی کا سانس لیتا ہے جنّت سے خارج ہو کر خوشی کا راگ گاتا ہے یہ راگ نہایت دل فریب ہے۔ خاص کر یہ شعر

نگداز ہائے پنہاں۔ بہ نیاز ہائے پیدا | نظرے ادا شناسے بحریم ناز کردن

لیکن صبح قیامت کو جناب باری میں اس کا یہ جواب

تا شود از آہِ گرم ایں بُتِ سنگیں گداز | بستنِ زُنّارِ او بود مرا ناگزیر

عقل بدام آورد فطرتِ چالاک را
اہرمنِ شعلہ زاد سجدہ کند خاک را

مبہم ہے۔ اس کے سمجھنے سے میں قاصر رہا۔ کیوں کہ ابلیس کی فطرتِ چالاک کے ساتھ کسی طرح قرآن سے مطابقت نہیں کھاتی۔

بوئے گل کی حقیقت پر شاعرانہ تخیل کی لطافت قابل دید ہے۔

حورے بکنج گلشنِ جنت تپید و گفت | مارا کسے ازآنسوئے گردوں خبر نداد
ناید بفہمِ من سحر و شام و روز و شب | عقلم ربود اینکہ بگویند مرد و زاد

گردید موجِ نکہت و از شاخِ گل مید   یا اینچنیں بعالمِ فردا و دے نہد
واکرد چشم و غنچہ شد و خندہ زد دمے   گل گشت و برگ برگ شد و بر زمیں فتاد
زاں نازنیں کہ بند ز پایش کشادہ اند
آہے است یادگار کہ بو نام داں اند

شاہین و ماہی کی گفتگو کس قدر ترانہ انگیز لہجہ میں لکھی ہے۔

ماہی بچہ شوخ بشاہیں بچہ گفت   ایں سلسلۂ موج کہ بینی ہمہ دریاست
باسیلِ گراں سنگ و زمیں گیر و سبک خیز   با گوہرِ تابندہ و با لولوئے لالاست
بیروں نتواں رفت ز سیل ہمہ گیرش   بالائے سر ماست تہِ پاست ہمہ جاست
ہر لحظہ جوان است و روان است و دوان است   از گردشِ ایام نہ افزوں شد و نے کاست
ماہی بچہ را سوزِ سخن چہرہ برافروخت   شاہیں بچہ خندید و ز ساحل بہوا خاست
زد بانگ کہ شاہینم و کارم بزمیں چیست   صحرا است کہ دریاست تہ بال و پرِ ماست

مئے باقی | یہ تیسرا جز بھی کم و بیش چالیس صفحوں کا ہے۔ اس میں غزلیں ہیں جن کی زبان کی سلاست ترنم ریز اور معنوی لطافت وجد انگیز ہے دو ایک نمونتاً درج کرتا ہوں۔

می تراشد فکرِ ما ہر دم خداوندے دگر   رست از یک بند تا افتادہ در بندے دگر
بر سر بام آ نقاب از چہرہ بے باکانہ کش   نیست در کوئے تو چوں من آرزومندے دگر
بسکہ غیرت می برم از دیدۂ بینائے خویش   از نگہ بافم بر خسارِ تو روبندے دگر
یک نگہ۔ یک خندۂ دزدیدہ۔ یک تابندہ اشک   بہر پیمانِ محبت نیست سوگندے دگر
عشق را نازم کہ از بے تابیِ روزِ فراق   جانِ ما را بست با دردِ تو پیوندے دگر
تا شوی بے باک تر در نالہ اے مرغ بہار   آتشے گیر از حریمِ سینہ ام چندے دگر
رہ مدہ در کعبہ اے پیرِ حرم اقبال را
ہر زماں در آستیں دارد خداوندے دگر

بملا زبانِ سلطاں خبرے دہم زرانے — کہ جہاں تواں گرفتن بہ نوائے دلگدازے
بمتاعِ خود چہ نازی کہ بشہرِ دردمنداں — دلِ غزنوی نیرزد بہ تبسّمِ ایازے
ہمہ نازِ بے نیازی ہمہ سازِ بے نوائی — دلِ شاہ لرزہ گیرد ز گدائے بے نیازے
ز مقامِ من چہ پرسی بہ طلسمِ دل اسیرم — نہ نشیبِ من نشیبے نہ فرازِ من فرازے
رہِ عاقلی رہا کن کہ باُوتواں رسیدن — بدلِ نیازمندے بہ نگاہِ پاکبازے
بہ رہِ تو ناتمامم ۔ ز تغافلِ تو خامم — من و جانِ نیم سوزے تو و چشمِ نیم بازے
رہِ دیر تختۂ گل ز جبینِ سجدہ ریزم — کہ نیازِ من نگنجد بہ دو رکعتِ نمازے

ز ستیزِ آشنایاں چہ نیاز و ناز خیزد
دلکے بہانہ سوزے نگہے بہانہ سازے

ز خاکِ خویش طلب آتشے کہ پیدا نیست — تجلّے دگرے در خورِ تقاضا نیست
اگرچہ عقلِ فسوں پیشہ لشکرے انگیخت — تو دلگرفتہ نباشی کہ عشق تنہا نیست
تو رہ شناسِ نئی و ز مقامِ بے خبری — چہ نغمہ ایست کہ در بربطِ سلیمیٰ نیست
نظر بخویش چناں بستہ ام کہ جلوۂ دوست — جہاں گرفت و مرا فرصتِ تماشا نیست
بیا کہ غلغلہ در شہرِ دلبراں فگنیم — جنون زندہ دلاں ہرزہ گردِ صحرا نیست
ز قید و صید نہنگاں حکایتے آور — مگو کہ زورقِ ما روشناسِ دریا نیست
مریدِ ہمتِ آں رہروم کہ پا نگذاشت — بہ جادۂ کہ در و کوہ و دشت و صحرا نیست
شریکِ حلقۂ رندانِ بادہ پیما باش — حذر ز بیعتِ پیرے کہ مرد غوغا نیست

برہنہ حرف نہ گفتن کمالِ گویائی ست
حدیثِ خلوتیاں جز بہ رمز و ایما نیست

ایک غزل میں ایک شعر کیا بلند حوصلگی کا کہا ہے۔

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے — یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

مولانا روم نے بھی فرمایا ہے

بزیر کنگرۂ کبریاش مردانند — فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر

لیکن شاعرانہ خیالات کا تضاد احسن تقویم اور اسفل سافلین کا کیسا صحیح منظر پیش کرتا ہے کہ کہاں آدم خاکی کا یہ جوش و خروش اور کہاں وہ نگاہ میں اس قدر حقیر کہ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ

نقش دگر طراز دہ آدم پختہ تر بیار — لعبت خاک ساختن می نہ سزد خدائے را

نقش فرنگ | یہ چوتھا جزو ۴۰ صفحے سے کچھ کم ہے۔ اس میں اہل مغرب کے خیالات اور ان کے متعلق رائیں ہیں۔ ان مضامین سے ایشیائی شاعری اب تک قطعاً روشناس نہ تھی آغاز اس پیام سے ہوتا ہے۔

از من اے بادِ صبا گوئے بدانائے فرنگ — عقل تا بال کشود است گرفتار تر است

برق را ایں بہ جگر می زند آں رام کند — عشق از عقل فسوں پیشہ جگردار تر است

چشم جز رنگ گل و لالہ نہ بیند ورنہ — انچہ در پردۂ رنگست پدیدار تر است

عجب آں نیست کہ اعجاز مسیحا داری — عجب آنست کہ بیمارِ تو بیمار تر است

علم و حکمت اگرش خوئے سگی باز دہد — آدمی زادۂ دانا زدداں خوار تر است

خواجہ را قیمتِ عیش است اگر مزد غلام — بندہ آزاد تر و خواجہ گرفتار تر است

رفتگانِ عالم بالا کی صحبت بھی نہایت دل چسپ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغربی حکمائے وہاں جا کر سیاسی مذاکرے شروع کر دئے ہیں۔

روس کا مشہور حکیم ٹالسٹائے کہتا ہے

یارکش اہرمن لشکرئے شہر یار — از پئے نانِ جویں تیغ ستم برکشید

زشت بچشمش نکوست مغز نداند ز پوست — مردک بیگانہ دوست۔ سینہ خویشاں درید

داروئے بیہوشی است تاج کلیسا۔ وطن — جان خداداد را خواجہ بجامے خرید

مزدک ایران کے اباحیہ مذہب کا پیشوا اپنی تعلیم کو کامیاب دیکھ کر خوش ہوتا ہے

دانۂ ایراں ز کشت زار قیصر بر دمید — مرگِ نوئیں قصد اندر قصرِ سلطان دمیدہ
مدتے در آتشِ نمرود می سوزد خلیل — تا تہی گردد حرمش از خدا وندانِ پیر
دورِ پرویزی گذشت اے کشتۂ پرویز خیز — نعمتِ گم گشتۂ خود را ز خسرو باز گیر

"کشتۂ پرویز" ناکام گرسنہ مزدورِ طرب گاہِ رقیب کوہکن بھی اس مجلس میں شامل ہے وہ کہتا ہے۔

نگارِ من کہ بسے سادہ و کم آمیز است — ستیزہ کیش و ستم کوش و فتنہ انگیز است
برونِ او ہمہ بزم و درونِ او ہمہ رزم — زبانِ او ز مسیح و دلش ز چنگیز است
اگرچہ تیشۂ من کوہ را ز پا آورد — ہنوز گردشِ گردوں بکامِ پرویز است

ایک نظم میخانۂ فرنگ کی یاد میں ہے۔ اس میں کہتے ہیں۔

چشمِ مستِ مے فروشش بادہ را پروردگار — بادہ خوارا نگاہِ ساقیش پیغمبر است

یہی وہ جرم ہے جس پر ملا شیدا غریب شاہجہانی علما کے فتووں کی بنیاد پر دہلی سے نکالا گیا تھا۔ اس نے کہا تھا۔

چیست دانی بادۂ گلگوں مصفا جوہرے — حسن را پروردگارے عشق را پیغمبرے

مولانا نظامی گنجوی کا یہ قطعہ بہت مشہور ہے اور اکثر ایرانی اُستادوں نے اس کے جوابات لکھے ہیں۔

دوشں رفتم بخرابات و مرا راہ نبود — می زدم نالہ و فریاد کس از من نشنود
یا نبد ہیچ کس از بادہ فروشاں بیدار — یا کہ من ہیچ کسم ہیچ کسم در نکشود
پاسے بگذشت ز شب بیشتر ک یا کمتر — رندے از غرفہ بروں کرد سر و رخ بنمود
گفت خیر است دریں وقت کرا میخواہی — بے محل آمدنت بر در ما بہر چہ بود
گفتمش در بکشا گفت برو ہرزہ مگوئے — کاندریں وقت کسے بہر کسے در نکشود

ایں نہ مسجد کہ بہر لحظہ درش بکشایند	کہ تو دیر آئی و اندر صف پیش استی زود
ایں خرابات مغانست درو رندانند	شاہد و شمع و شراب و شکر و نائے و سرود
ہر چہ در جملۂ آفاق دریں جا حاضر	مومن و برہمن و گبر و نصارا و یہود

گر تو خواہی کہ دم از صحبتِ ایشاں بزنی
خاک پائے ہمہ شو تاکہ بیابی مقصود

ڈاکٹر صاحب، خرابات فرنگ کے عنوان سے اسی نہج پر ایک قطعہ لکھتے ہیں۔

دوش رفتم بتماشائے خرابات فرنگ	شوخ گفتاری رندے دلم از دست ربود
گفت ایں نیست کلیسا کہ بیابی در وے	صحبتِ دخترکِ زہرہ وش و نائے و سرود
ایں خرابات فرنگست و ز تاثیر مئش	آنچہ مذموم شمارند نماید محمود
نیک و بد را بترازوئے دگر سنجیدیم	چشمہ داشت ترازوئے نصاریٰ و یہود
خوب زشت است اگر پنجۂ گیرات شکست	زشت، خوبست اگر تاب و توانِ تو فزود
تو اگر درنگری جز بہ ریا نیست حیات	ہر کہ اندر گرو صدق و صفا بود نبود
دعویٔ صدق و صفا پردۂ ناموس ریاست	پیر ما گفت مس از سیم بباید اندود

فاش گفتیم بتو اسرار نہانخانۂ زیست
بکسے باز مگو تاکہ بیابی مقصود

دولِ مغربیہ نے جو جمعیت اقوام قائم کی ہے وہ شاعر کو اس شکل میں نظر آتی ہے۔

برفتد تا روشِ رزم دریں بزم کہن	دردمندانِ جہاں طرحِ نو انداختہ اند
من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند	بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند

دردمندانِ جہاں کا لفظ خاص توجہ کے قابل ہے۔

مولانا وحشی کا یہ قطعہ "برادر و تقسیم نابرابر" مشہور ہے۔

زیباترا نچہ ماند ز بابا از آنِ تو	بدائے برادر از من و اعلیٰ از آنِ تو

این طاس خالی از من واں کوزہ کہ بود   پارینہ پر ز شہد مصفا از آنِ تو
یابوئے ریسماں گسل و میخ کہن زمن   مہمیز کلہ تیز مطلّا از آنِ تو
این دیگ لب شکستہ صابون پزی زمن   واں چمچۂ حریسہ و حلوا از آنِ تو
این اشترِ خموش لگد زن از آنِ من   واں گربۂ مصاحب بابا از آنِ تو

از صحنِ خانہ تا لبِ بام از آنِ من
وز بام تا بہ سقفِ ثریا از آنِ تو

اسی لطیف طرز پر ڈاکٹر صاحب نے قسمت نامہ سرمایہ دار و مزدور لکھا ہے۔

غوغائے کارخانۂ آہنگری زمن   گلبانگِ ارغنونِ کلیسا از آنِ تو
نخلے کہ شہ خراج برو می نہد زمن   باغِ بہشت و سدرہ و طوبیٰ از آنِ تو
تلخابہ کہ دردِ سر آرد از آنِ من   صہبائے پاکِ آدم و حوّا از آنِ تو
مرغابی و تدرو و کبوتر از آنِ من   ظلِ ہما و شہپرِ عنقا از آنِ تو

این خاک و آنچہ در شکمِ او از آنِ من
وز خاک تا بہ عرشِ معلّیٰ از آنِ تو

پیغام | عجمی شاعری نے اوّل اوّل حسن وعشق کے گہوارہ اور سلاطین و امراء کی مدّاحی کے آغوش میں پرورش پائی۔ کچھ زمانہ کے بعد صوفیانہ خیالات کے بزرگوں نے اس پر تصوّف کا رنگ چڑھایا۔ خاص کر مولانائے روم نے اس صور کو اس بلند آہنگی سے پھونکا کہ شاعری نے حریم دین میں بار پالیا۔ یہاں تک کہ آج بھی مسجدوں کے منبروں پر سے ان کی آواز بازگشت سنائی دیتی ہے۔

اب زمانے نے دوسری کروٹ بدلی اور اُمّتِ اسلامیہ غیروں کے پنجۂ تسلّط میں پڑ کر مصائب آلام میں مبتلا ہوگئی۔ اس وجہ سے شاعری نے بھی نیا رنگ اختیار کیا اور اس کے ساز پر قومی اور وطنی راگ گائے جانے لگے۔ مصر، ایران، ہندوستان نیز افغانستان ہر جگہ شاعری سے یہ کام لیا جانے لگا ہم ان تمام نغموں کو سنتے ہیں لیکن ان سب میں ڈاکٹر صاحب کی لے ایک جداگانہ انداز رکھتی ہے

وہ دو باتوں میں خصوصیت کے ساتھ ممتاز نظر آتی ہے۔

(۱) ان قومی شعراء کی نگاہیں اپنی قومی اور ملکی حدود سے باہر کم پہنچتی ہیں اور ڈاکٹر صاحب کے پیش نظر کل اُمت اسلامیہ ہے یعنی ان کا خطاب صرف جذبۂ اسلامی سے ہے نہ کہ ایرانی یا تورانی سے۔ اس لیے اوروں کے کلام کو ہم صرف "قومیات" یا "وطنیات" کہہ سکتے ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب کی نظیر "ملّیات" کے لقب کی مستحق ہیں۔

(۲) دوسرے شعراء جذبات عام کو لے کر نظم کا لباس پہناتے ہیں۔ بخلاف اس کے ڈاکٹر صاحب کی طبع خداداد حیات ملّیہ کے اسرار خود اخذ کر کے ان کو شاعری کے قالب میں ڈھالتی ہے۔

کسی کا قول ہے

اگرچہ شاعران نغز گفتار — زیک جا مند در بزم سخن مست
ولے با بادۂ بعضے حریفاں — خمار چشم ساقی نیز پیوست
مبیں یکساں کہ در اشعارِ ایں قوم — ورائے شاعری چیزے دگر ہست

"چیزے دگر" وہی رموز لطیفہ ہیں جن کو پیغامی شاعر کے سوا کوئی دوسرا نہیں پا سکتا۔ ڈاکٹر صاحب امت اسلامیہ کے لیے ایک پیغام رکھتے ہیں ان کا یہ دعوے ہے۔

بخامۂ کہ خط زندگی رقم زدہ است — نوشتہ اند پیامے بہ برگ رنگینم

وہ اپنا پیغام بھی صاف ظاہر کرتے ہیں۔

زشاخ آرزو برخوردہ ام من — بہ رازِ زندگی پے بردہ ام من
تبرس از باغباں ای ناوک انداز — کہ پیغام بہار آوردہ ام من

ان کے پیغامی شاعر ہونے کے متعلق غالباً آئندہ آنے والے لوگ ہم سے بہتر لکھ سکیں گے عجمی شاعری جس نے تصوف کی خدمت گزاری کی اس میں اور ڈاکٹر صاحب کی شاعری میں بڑا فرق ہے وہ فنا اور نفس کشی کی تلقین کرتی ہے اور یہ خودی اور زندگی کی۔ وہ تن مزاجوں کو برف بناتی ہے اور یہ افسردہ دلوں کو برق۔

تعلیمات | ڈاکٹر صاحب حسن و عشق کے شاعر نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے دل کو اللہ تعالیٰ نے حیات ملیہ کے اسرار سے بھر دیا ہے۔ فرماتے ہیں

تا مرا رمزِ حیات آموختند — آتشے در سینہ ام افروختند
یک نوائے سینہ تاب آوردہ ام — عشق را عہدِ شباب آوردہ ام
آشنائے من زمن بیگانہ رفت — از خمستانم تہی پیمانہ رفت
من شکوہ خسروی او را دہم — تختِ کسریٰ زیر پائے او نہم
او حدیثِ دلبری خواہد زمن — رنگ و آبِ شاعری خواہد زمن
کم نظر بیتابیٔ جانم ندید — آشکارم دید و پنہانم ندید
فطرتِ من عشق را در بر گرفت — صحبتِ خاشاک و آتش در گرفت
حق رموزِ ملک و دیں برمن کشود — نقشِ غیر از پردۂ چشمم ربود

ان کی ساری شاعری انہیں رموز کی تعلیمات سے لبریز ہے۔ یہاں تک کہ قطعات اور غزلیات بھی۔ اس جگہ اجمالاً چند عنوانات لکھتا ہوں۔

خودی | یہ ڈاکٹر صاحب کا خاص مضمون ہے جس پر ان کی مستقل مثنوی موجود ہے۔ خودی سے مراد خود پسندی نہیں بلکہ خود شناسی ہے یہ مجموعہ بھی اس تعلیم سے خالی نہیں۔ فرماتے ہیں۔

چہ پرسی از کجا یم چیستم من — بخود پیچیدہ ام تا زیستم من
دریں دریا چو موجِ بے قرارم — اگر بر خود نہ پیچم نیستم من

شبنم

گفتند فرود آے زاوجِ مہ و پرویز — برخود زن و با بحرِ پر آشوب بیامیز
با موج در آویز
نقشِ دگر انگیز
تابندہ گہر خیز

من عیش ہم آغوشیِ دریا نخریدم   آں بادہ کہ از خویش رہاید نچشیدم

از خود نرمیدم

ز آفاق بریدم

بر لالہ چکیدم

زندگی | اس عالم کائنات کا ذرّہ ذرّہ سرگرم پیکار ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ یہی پیکار اصل زندگی ہے۔ اخلاقیات کے نامور معلم شیخ سعدی نے کہا تھا کہ

اگر خواہی سلامت برکنار است

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں

اگر خواہی حیات اندر خطر زی

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا   نوائے زندگانی نرم خیز است

بدریا غلط و با موجش درآویز   حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

غالباً مولانا بیدل نے کسی غزل میں کہا ہے "بشکند رنگم حبابے چوں بدریا بشکند"

اس پر کہتے ہیں۔

از نزاکتہائے طبع موشگافِ او مپرس   کز دم بادے زجاجِ شاعرا بشکند

کے تواند گفت شرح کارزارِ زندگی   می پرد رنگش، حبابے چوں بدریا بشکند

وہ اِس عالم ہی کو پسند نہیں کرتے جس میں یزداں کے مقابلے میں اہرمن نہ ہو۔

مزی اندر جہانِ کور ذوقے   کہ یزداں دارد و شیطاں ندارد

عمل | ڈاکٹر صاحب کا سارا کلام درحقیقت درسِ عمل ہے اور یہی نوائے وقت ہے۔ ستاروں کی زباں سے فرماتے ہیں

خنک انساں کہ جانش بے قرار است   سوارِ راہوارِ روزگار است

قبائے زندگی بر قامتش راست   کہ او نو آفرین و تازہ کار است

ہائنا کے جواب میں کہا ہے

ساحل افتادہ گفت. گرچہ بسے زیستم — ہیچ نہ معلوم شد۔ آہ کہ من چیستم

موج زخود رفتۂ۔ تیز خرامید و گفت — ہستم اگر میروم ۔ گر نروم نیستم

اسلام | ڈاکٹر صاحب کی شاعری کا اصلی سرچشمہ قرآن عظیم ہے۔ اسی کے رموز کو لے کر وہ اس ساز پر نغمہ سرائی کرتے ہیں۔ وہ پکار پکار کے کہہ رہے ہیں کہ دین اسلام ہر قسم کی انسانی صلاح و فلاح پر حاوی اور دینی و دنیوی ترقیات کا کفیل ہے۔

ایک غزل میں کہتے ہیں۔

تو رہ شناس نۂ وزمقام بے خبری — چہ نغمۂ الیست کہ در بربطِ سُلیمیٰ نیست

ایک دوسری غزل میں کہا ہے

برکش آں نغمہ کہ سرمایۂ آب و گلِ تست — اے زخود رفتہ تہی شو ز نوائے دگراں

مغربی تہذیب جو بدبختی سے مسلمانوں کی نگاہوں کو خیرہ کیے ہوئے ہے ان کے نزدیک نہایت نا اُستوار بنیاد پر قائم ہے۔ اور وہ ایک ملمع کاری ہے جس کی تہ میں انسانیت اور ہمدردی کا نام و نشان نہیں ہے۔ فرماتے ہیں۔

فرنگ گرچہ سخن با ستارہ می گوید — حذر کہ شیوۂ او رنگ جوزنی دارد

در ہوایش گرمیِ یک آہ بیتابانہ نیست — رند ایں میخانہ را یک لغزش مستانہ نیست

مسلمانوں پر مدتہائے دراز سے عجمی ادبیات نے اثر ڈال کر ان میں جو افسردگی پیدا کر رکھی ہے اس سے بھی سخت بے زار ہیں۔ اور پھر ان کو اصل عربی اسلامی رنگ میں لانا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں۔

دگر بدشت عرب خیمہ زن کہ بزم عجم — مئے گذشتہ و جامے شکستنی دارد

اخوۃ اسلامی | مسلمانوں نے جہالت کی وجہ سے جو نسلی اور ملکی امتیازات پیدا کرکے باہمی تفرقے ڈال رکھے ہیں ان کو وہ حرام سمجھتے ہیں۔ اس لیے کہ قرآن نے کل مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا ہے۔ اور یہی اخوت اسلامی ملت کی اصلی طاقت ہے۔ فرماتے ہیں۔

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم　　　چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیزِ رنگ و بو بر ما حرام است　　　کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم

محنت | دنیا میں ہر شخص فطرتاً اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اس کی محنت کا کل ثمرہ اس کو ملے۔ لیکن دول مغربیہ کی سرمایہ پرستی کی وجہ سے عالم کی اقتصادی حالت اس قدر پر پیچ ہوگئی ہے کہ مزدور اپنا پورا حق نہیں پا سکتا۔ بلکہ سرمایہ دار بھی اس میں شریک ہو جاتا ہے۔ یوروپین ممالک میں سرمایہ اور محنت کی جنگ نہایت اہمیت پکڑ گئی ہے۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ روس کی طرح دیگر مغربی سلطنتیں بھی اس کی رو میں بہ جائیں۔

ڈاکٹر صاحب سرمایہ داری کے خلاف جہاد عظیم میں مصروف ہیں۔

موسیو لینن صدر جمہوریہ روس کی زبان سے کہتے ہیں۔

بسے گذشت کہ آدم دریں سرائے کہن　　　مثالِ دانہ تہِ سنگ آسیا بود است
فریب زاری و افسونِ قیصری خورد است　　　اسیر حلقۂ دام کلیسا بود است
غلام گرسنہ دیدی کہ بردرید آخر　　　قمیصِ خواجہ کہ رنگیں زخونِ ما بود است

کارل مارکس کی زبان سے جو رفتگانِ عالم بالا میں سے ہے یہ آواز سنائی دیتی ہے۔

رازدانِ جزو و کل از خویش نامحرم شد است　　　آدم از سرمایہ داری قاتلِ آدم شدہ است

ٹالسٹائی کہتا ہے۔

عقلِ دورو آفرید فلسفۂ خود پرست　　　درس رضا میدہی بندۂ مزدور را

یہ درد ان کے دل میں اس قدر ہے کہ کشمیر جنت نظیر کے دل فریب مناظر میں بھی اس کو نہیں بھولتے۔

کشیری کہ با بندگی خوگرفتہ　　　بتے می تراشد ز سنگ مزارے
ضمیرش تہی از خیالِ بلندے　　　خودی ناشناسے ز خود شرمسارے
بریشم قبا خواجہ از محنتِ او　　　نصیبِ تنش جامۂ تار تارے
نہ در دیدۂ او فروغِ نگاہے　　　نہ در سینۂ او دلِ بیقرارے

تبلیغ اسلام | اسلام کی تبلیغ اہم ترین فریضۂ امت ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس زمانے میں جو بعض ہندوستانی مغربی ممالک میں تبلیغ کے لیے جاتے ہیں یہ کہاں تک بجا ہے جب کہ خود ہندوستان اور اس کے ہمسایہ ممالک میں لاکھوں کروروں مسلمان جاہل اور گمراہ پڑے ہوئے ہیں۔ غیروں کو مسلمان بنانے کی بہ نسبت ان کی تعلیم اور ہدایت مقدم ہے۔ اسی بنیاد پر ڈاکٹر صاحب فرنگستان کے دنیا پرستوں میں تبلیغ کی اس وقت ضرورت نہیں سمجھتے۔ اور ایسے مبلّغوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

زمانہ باز برافروخت آتش نمرود — کہ آشکار شود جوہر مسلمانی
بیا کہ پردہ زداغ جگر براندازیم — کہ آفتاب جہانگیر شد ز عریانی
ہزار نکتہ زدی پیش دلبران فرنگ — گداختی صنما نرا بعلم برہانی
خبر زشہر سلیمٰی بدہ حجازی را — شرار شوق فشاں در ضمیر تورانی
رہ عراق و خراساں زن اے مقام شناس — بہ بزم اعجمیاں تازہ کن غزل خوانی
بسے گذشت کہ در انتظار زخمہ زیست — چہ نغمہا کہ نہ خوابید بہ ساز افغانی
حدیث عشق با اہل ہوس چہ میگوئی — بچشم مور مکش سرمۂ سلیمانی

جمہوریت | ڈاکٹر صاحب کا سارا کلام دیکھنے سے یہ صاف نمایاں ہوتا ہے کہ ان کا آب و گِل حریت اور مساوات اور خمیر جمہوریت کا ہے لیکن ان کا یہ قول

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو — کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

نہایت تعجب انگیز ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ "پختہ کار" صاحب بھی "خرنا شخص" نکلے تو پھر کیا ہوگا۔ کیوں کہ یہ کون کہہ سکتا تھا کہ ملائکہ کا جو اُستاد ہے وہی راندۂ درگاہ اور ملعون بارگاہ ہوگا وہ غریب خود اس سے بے خبر تھا چنانچہ کہتا ہے

بر لوح ثبت بود کہ ملعوں شود یکے — بردم گماں بہر کس و بر خود گماں نبود

اس میں کچھ شک نہیں کہ رائے صواب ہر معاملہ میں صرف ایک ہی ہوتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ وہ ایک شخص سے حاصل کی جائے یا ایک جماعت سے۔ مشورے میں دو فائدے ہیں۔

(۱) نتیجہ خراب ہونے کی صورت میں ملامت کا خوف نہیں رہتا۔ اسی بنیاد پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی جن کی رائے کے قطعی درست ہونے میں شبہ نہیں تھا "شاورہم فی الامر" کا حکم دیا گیا۔

(۲) بہ نسبت ایک شخص کے جماعت میں اغلباً مذاق صحیح موجود ہوتا ہے اس لئے عام مسلمانوں کیلئے "امرہم شوریٰ بینہم" نازل ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کی اس رائے کی کوئی توجیہ میری سمجھ میں بجز اس کے نہیں آتی کہ میں اس کو ان کی تعلیمات سے نکال کر مطائبات میں شمار کروں۔[1]

خاتمہ | ڈاکٹر صاحب کا کلام اگرچہ تمام تر آورد ہے۔ لیکن اس میں انتہائی لطافت اور انتہائی ایجاز یعنی فصاحتِ لفظی اور بلاغتِ معنوی دونوں کی پوری پوری رعایت ملحوظ ہے۔ جو مضمون ہے وہ نہایت صاف۔ برجستہ اور نکتہ سنجی اور ندرتِ خیال کا پسندیدہ ترین نمونہ ہے۔ انداز بیان اور طرز ادا انوکھا اور دلکش ہے۔ ان کی توجہ خیالات کی رفعت اور معانی کی بلندی کی طرف زیادہ رہتی ہے۔ صنائع و بدائع اور تشبیہات و استعارات کے پیچھے وہ نہیں پڑتے لیکن باوجود اس کے لفظوں کی لطافت اور ترکیبوں کی نزاکت کو کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

ان کا قدم کسی کے جادہ تقلید سے قطعاً بری ہے۔ ممکن ہے کہ کہیں مغز سخن اُنہوں نے مولانائے روم سے اخذ کیا ہو لیکن اپنا راستہ جو بالکل اچھوتا اور نیا ہے خود ہی نکالا ہے۔

ان کا جام شاعری اس سوگواری کی تلخی سے بھی پاک ہے جو قومی مرثیہ گویوں کے کلام میں پائی جاتی ہے وہ ماضی کے ماتمی نہیں ہیں بلکہ شاندار مستقبل کے مژدہ گو ہیں ان کی شگفتہ طبیعت ایک بلبل ہے جو خزاں کی نوحہ خوانی نہیں کرتی بلکہ بہار کی آمد کا نغمہ گاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی شاعری سے ملت جدیدہ کی دماغی تعمیر میں بہت بڑا حصہ لے رہے ہیں +

---

[1] غالباً ڈاکٹر صاحب کا مقصد ڈکٹیٹر شپ ہے۔

متحدہ قومیت اور اسلام

از شمس العلما جناب مولانا عبد الرحمن صاحب پروفیسر دہلی یونیورسٹی

[قارئین طلوع اسلام کو یاد ہوگا کہ مولانا حسین احمد صاحب دیوبندی نے حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کو ارشادات گرامی کے جواب میں اُن کی وفات سے قریب چھ ماہ بعد ایک رسالہ بعنوان "متحدہ قومیت اور اسلام" شائع کیا تھا۔ اس رسالہ کا سکت جواب طلوع اسلام میں بعنوان "متحدہ قومیت اور مولانا حسین احمد صاحب" اُسی زمانہ میں شائع ہو گیا تھا اور علیحدہ پمفلٹ کی شکل میں بھی موجود ہے۔ مولانا صاحب یا اُن کے ہم مسلک حضرات میں سے کسی میں یہ ہمت نہیں ہوئی کہ اس مضمون کا جواب لکھ سکیں۔ اُن کے رسالہ کا تمامتر مدار نبی اکرم کے ایک نامہ مبارک پر تھا۔ حال ہی میں شمس العلما مولانا عبد الرحمن صاحب نے رسالہ برہان میں ایک مضمون شائع فرمایا ہے جس میں اس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے کہ مولانا حسین احمد صاحب نے اس نامہ مبارک کے اقتباسات نقل کرنے میں کس قدر علمی "دیانت" سے کام لیا ہے۔ ذیل میں یہ مضمون بمسرت شائع کیا جاتا ہے۔]

("طلوع اسلام")

میں انڈین نیشن کا لفظ سالہا سال سے کانگریس کے حامیوں سے سنتا چلا آیا ہوں مگر اکثر ہندوؤں اور خال خال مسلمانوں سے۔ اور وہ بھی سیاسی اور عقلی دلائل کے انداز پر۔ اب کچھ دنوں سے متحدہ قومیت کی دعوت مسلمانوں کو کانگریس کے پلیٹ فارم بلکہ خود مسلمانوں کے علما کی زبان سے شروع ہوئی ہے جس میں مذہبی رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ اتفاق سے میں اخبارات بہت کم دیکھتا ہوں۔ سیاسی مجالس میں تو جاتا ہی نہیں۔ اسلئے

تفصیلی علم مجھے ان دلائل کا تھا، نہ ہے۔ جو علما کرام کی ایک جماعت متحدہ قومیت کی حمایت میں پیش کرتی رہی ہے۔ اتفاق کی بات ایکدن ایک دوست سے ملنے گیا۔ وہاں "متحدہ قومیت اور اسلام" نامی رسالہ پر نظر پڑی۔ ذکر اس کا پہلے سُن چکا تھا۔ چلتے ہوئے وہ رسالہ اٹھالایا اور گھر آکر اُسے پڑھا اور مکرر سہ کرر پڑھا اور جہاں تک سمجھا گیا سمجھا مگر ابتدائی ۳۵ - ۳۶ صفحے خاطر خواہ سمجھ میں نہ آئے۔ اسکی وجہ غالبًا یہ ہے کہ جن حالات اور مباحث کے سلسلہ میں رسالہ لکھا گیا میں اُن سے بے خبر تھا اور ہوں۔ باقی رسالہ اپنی بساط کے موافق سمجھا اور خیال ہے کہ سمجھتا ہوں۔

اس رسالہ میں جہاں بہت سی عقلی دلیلیں متحدہ قومیت قایم کرنے اور اسکے وجوب یا جواز کی پیش کی گئی ہیں وہاں نقلی دلائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نامۂ مبارک بھی ہے جس کو اگر میں رسالہ کی مذہبی بحث کا محور کہوں تو شاید بیجا نہ ہو، نامۂ مبارک کے بعض فقرے استناد میں دیکھکر جی چاہا کہ نامۂ مبارک بتمام وکمال دیکھوں۔ سیرت ابن ہشام اور کتاب الاموال ابوعبید قاسم بن سلام کی میری دسترس میں تھیں اُن کو نکلوایا اور نامۂ مبارک کو پڑھا۔ اس کے پڑھنے سے جو خیال دل میں آیا وہ یہ تھا کہ رسول اللہ نے کوئی متحدہ قوم ایسی نہیں بنائی جیسی آپ کی طرف اس رسالہ میں منسوب کی گئی ہے اور بفرض بنائی بھی گئی اور یہ نامۂ مبارک اس کے قیام واثبات کے لئے حجت ہی ہو سکتا ہے تو رسالہ کے بعض فقروں کو نقل کرنا اور اکثر کو نظر انداز کرنا کم از کم علمی دیانتداری کے خلاف ہے جو نہونا چاہیئے تھا اسلئے میں یہاں اس نامۂ مبارک کو مع اُس کے ترجمہ کے اور اُن باتوں کے جو مطالعہ کتب سے مجھے معلوم ہوئیں اہل علم وفہم کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ مدعا احقاق حق ہے اور یہ نامۂ مبارک میں سیرت ابن ہشام سے نقل کروں گا کہ اس میں چند فقرے کتاب الاموال کی نسبت زیادہ ہیں۔ اس کے بعد جو کچھ میرا فہم ہے اور مجھے معلوم ہوا ہے وہ بیان اور جہاں تک ہوسکے گا۔ سیاست اور سیاسی تطبیق سے احتراز کروں گا کہ عام مصالح اِسی میں ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هذا كتاب من محمد
النبی صلى الله عليه وسلم
بين المؤمنين والمسلمين
من قريش ويثرب ومن
تبعهم فلحق بهم وجاهد
معهم۔
(١) انهم امة واحدة
من دون الناس المهاجرون
من قريش على ربعتهم
يتعاقلون بينهم وهم
يفدون عانيهم بالمعروف
والقسط بين المؤمنين۔
وبنو عوف على ربعتهم
يتعاقلون معاقلهم الاولى
وكل طائفة تفدى عانيها
بالمعروف والقسط بين المؤمنين

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ تحریر ہے محمد نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)
کی قریش اور یثرب کے مؤمنوں
اور اُن لوگوں کے باب میں جو اُن
کے پیرو (ساتھ) ہو کر اُن میں شامل
ہیں۔ اور اُن کے ساتھ ہو کر جہاد
کریں بایں مضمون کہ:۔

(١) یہ تینوں سب کو چھوڑ ایک
اُمت (ایک فریق، ایک جماعت) ہیں
قریش کے مہاجر اپنے حال (دستور)
پر اپنے لوگوں کی خون بہائیں لینگے
اور وہی بھلائی (امداد باہمی) اور
انصاف بین المومنین کی پابندی
کے ساتھ فدیہ دیکر اپنے قیدی کو قید سے چھڑائینگے
اور بنو عوف اپنے قدیم دستور کے موافق
اپنی سابقہ واجب شدہ خونبہاؤں کا لین دین خود
کریں گے اور ان کا ہر گروہ باہمی امداد اور انصاف
بین المؤمنین کا پابند رکھ اپنے قیدی کا فدیہ
خود سرانجام دے گا اور مومنین کی جماعت
یا ان میں سے کسی فرد واحد پر ناروا اور
نا منصفانہ بار نہیں ڈالے گا۔

وبنو ساعدة على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولى وكل طائفة منهم تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

اور بنو ساعدہ

وبنو الحرث على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولى وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

اور بنو الحرث

وبنو جشم على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولى وكل طائفة منهم تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

اور بنو جشم

وبنو النجار على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولى وكل طائفة منهم تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

اور بنو النجار

وبنو عمرو بن عوف على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولى وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

اور بنو عمرو بن عوف

وبنو النبيت على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولى وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

اور بنو النبيت

وبنو الاوس على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولى وكل طائفة منهم تفدى عانيها بالمعروف

اور بنو الاوس اپنے اپنے قدیم دستور کے موافق اپنی اپنی سابقہ واجب شدہ خونبہاؤں کا لین دین خود کریں گے اور انہی کی جماعتیں

والقسط بين المؤمنين

اپنے اپنے قیدی کو باہمی امداد و اعانت اور بھلائی کے ساتھ اور انصاف بین المؤمنین کے طریق پر فدیہ دے کر قید سے چھڑائیں گی۔

(۲) وان المؤمنين لا يتركون مفرحا بينهم ان يعطوه بالمعروف في فداء او عقل

(۲) اسی طرح مؤمنین بھی اپنے درمیان کسی کو خونبہا اور فدیہ کے بوجھ سے دبا ہوا چھوڑ کر الگ نہیں ہوں گے بلکہ خونبہا اور فدیہ کے ادا کرنے کے لئے کھلے دل سے مدد کریں گے۔

ولا يخالف مؤمن مولى مؤمن دونه وان المؤمنين المتقين على من بغى منهم او ابتغى دسيعة ظلم او اثم او عدوان او فساد بين المؤمنين وان ايديهم عليه جميعا ولو كان ولد احدهم ولا يقتل مؤمن مؤمنا في كافر ولا ينصر كافرا على مؤمن

اور نہ کوئی مومن کسی مومن کے آزاد غلام کو اسکے بغیر (اسکے علم و حاضری کے بغیر) اپنا حلیف بنا ئیگا۔ اور سارے مومن متقی خلاف ہیں گے اس شخص کے جو اُن میں سے ہو اور اُن کے خلاف علانیہ باغی ہو جائے یا ظلم بدی و تعدی یا فساد کا جال ان میں پھیلاتا پھرے اور بالیقین وہ سب کے سب ایسے شخص کے درپے رہیں گے اگرچہ وہ انمیں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو اور کوئی مؤمن مومن کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کرے گا اور نہ مومن کے خلاف کسی کافر کی حمایت کیجائے گی۔

(۴) وان ذمة الله واحدة يجير عليهم ادناهم

(۴) اور اللہ کی پناہ ایک ہے (جب دیدی گئی دیدی گئی) ایک ادنی مومن بھی سب مسلمانوں کے ہاتھ سے پناہ دیسکتا ہے۔

(۵) وان المؤمنين بعضهم موالي بعض دون الناس (۶) وانه من تبعنا من يهود فان له النصر والاسوة غير مظلومين ولا متناصرين عليهم

(۵) اور سارے مؤمن ایک دوسرے کے بھائی اور مددگار ہیں اوروں کے مقابلہ میں۔

(۶) جو یہودی ہمارا ساتھ دیں وہ امداد و مروت کے حقدار ہوں گے اس طرح کہ اُن پر ظلم ہوگا اور نہ اُن کے خلاف مومن باہم ایکدوسرے کی مدد کریں گے

(۷) وان سلم المؤمنين واحدة لا يسالم مؤمن دون مؤمن في قتال في سبيل الله الا على سواء وعدل بينهم

(۷) اور صلح سارے مؤمنوں کی ایک ہے۔ کوئی مؤمن راہ خدا کی لڑائی میں ایک مومن کو چھوڑ کر (نظر انداز کر کے) کسی سے صلح نہیں کرے گا مگر یہ کہ اس صلح میں سب ہمسر و برابر ٹھہریں۔

(۸) وان كل غازية غزت معنا تعقب بعضها بعضاً	(۸) اور غازیوں کی ہر جماعت جو ہمارے ساتھ جہاد کو نکلے وہ یکے بعد دیگرے میدان جنگ میں جائیگی (کسی ایک جماعت ہی کو مرنے کھپنے کیلئے نہیں چھوڑ دیا جائے گا)
(۹) وان المؤمنين يبئ بعضهم على بعض بما نال دماؤهم في سبيل الله	(۹) اور سارے مؤمن اس کلفت کی وجہ سے جوان کو خون راہ خدا میں اُٹھانی ہے ایک دوسرے سے برابر ہیں۔
(۱۰) وان المؤمنين المتقين على احسن هدى واقومه	(۱۰) اور متقی مومن ہی بہترین اور سیدھی سے سیدھی راہ پر ہیں (اوروں کو بھی انہیں کا راستہ اختیار کرنا چاہیئے)
(۱۱) وانه لا يجير مشرك مالاً لقريش ولا نفساً ولا يحول دونه على مؤمن ؎	(۱۱) یثرب کا کوئی مشرک کسی قریشی مشرک کے مال اور اسکی جان کو پناہ نہ دے گا اور نہ اسکو بچانیکے لئے مؤمن کے آڑے آئیگا۔
(۱۲) وانه من اعتبط مؤمناً قتلاً عن بينة فانه قود به الا ان يرضى ولي المقتول وان المؤمنين عليه كافة ولا يحل لهم الا قيام عليه	(۱۲) اور اگر کوئی کسی مؤمن کو بے گناہ قتل کردے اور قتل کرنا شہادت سے ثابت ہو تو قاتل قصاص میں مارا جائے گا۔ سوائے اس صورت کے کہ مقتول کا ولی راضی ہو جائے معاف کردے یا فدیہ لے لے۔ اور نہ سارے مومنین کو قاتل کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونا ناگزیر ہے

؎ اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مدینہ بھی اس نامۂ مبارک کے احکام کے ماتحت تھے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ میں رسول اللہ کے پہونچنے کے کچھ عرصہ بعد تک مشرکین سے مواعدۃ جائز تھی بلکہ صلح حدیبیہ کے بعد تک جائز رہی۔ اس بحث کو ہم نے یہاں ارادۃً چھوڑ دیا ہے۔

(۱۳) وانہ لا یحل لمومن اقر بما فی هذه الصحیفة وآمن بالله والیوم الآخر ان ینصر محدثا ولا یؤویه وانه من نصره وآواه فان علیه لعنة الله وغضبه یوم القیامة ولا یؤخذ منه صرف ولا عدل۔

(۱۳) اور جس مومن نے اقرار کر لیا ان باتوں کا جو اس صحیفہ میں ہیں اور یوم آخرت پر ایمان لایا۔ اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ کسی مجرم کی حمایت کرے اور اُسے پناہ دے، جو حمایت کرے اور پناہ دے قیامت کے دن اس پر اللہ کی لعنت ہوگی اور غضب آئیگا نہ اس کی توبہ قبول ہوگی اور نہ فدیہ۔

(۱۴) وانکم مهما اختلفتم فیه من شیء فان مردہ الی الله عز وجل والی محمد (صلی الله علیه وسلم)

(۱۴) اور جب اے ایمان والو تم میں کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو اس بات کو اللہ عز وجل اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرو۔

(۱۵) وان الیهود ینفقون مع المومنین ما داموا محاربین

(۱۵) اور یہود جب تک ایمان والوں کے ساتھ مل کر لڑتے رہیں وہ ایمان والوں کے ساتھ خود بھی لڑائی کا خرچ اٹھائینگے۔

(۱۶) وان یهود بنی عوف امة مع المؤمنین للیهود دینهم وللمسلمین دینهم موالیهم وانفسهم الا من ظلم واثم فانه لا یوتغ الا نفسه واهل بیته۔

(۱۶) اور بنی عوف میں جو یہودی ہیں وہ ایک جماعت ہے مومنین کے ساتھ کی یہود کے لیے اُن کا دین ہے، اور مسلمانوں کے لیے اُن کا۔ انکے موالی بھی ویسے ہی جیسے وہ خود (اس دین کے بارہ میں کوئی روک ٹوک نہیں)، مگر کوئی ظلم اور بدی کر بیٹھے تو وہ کسی اور کا کچھ نہیں بگاڑیگا بلکہ اپنے آپ اور اپنے گھر والوں کو خود ہلاک کریگا۔

(۱۷) وان لیھود بنی النجار مثل ما لیھود بنی عوف (۱۷) اور بنی نجار

وان لیھود بنی الحرث مثل ما لیھود بنی عوف — بنی الحرث

وان لیھود بنی ساعدۃ مثل ما لیھود بنی عوف — بنی ساعدہ

وان لیھود بنی جشم مثل ما لیھود بنی عوف — بنی جشم

وان لیھود بنی الاوس مثل ما لیھود بنی عوف — بنی الاوس

وان لیھود بنی ثعلبۃ مثل ما لیھود بنی عوف الا من ظلم واثم فانہ لا یوتغ الا نفسہ و اھل بیتہ۔

اور بنی ثعلبہ میں جو یہودی ہیں اُن سب کے حقوق ایسے ہی ہیں جیسے ان یہودیوں کے جو بنی عوف میں ہیں سوائے اُن کے جو ظلم اور بدی کے مرتکب ہوں۔ وہ ایسی باتوں سے اپنے اور اپنے گھر والوں ہی کو ہلاک کرتے ہیں (اور کسی کا کیا بگاڑتے ہیں)

(۱۸) وان جفنۃ بطن من ثعلبۃ کانفسھم وان لبنی الشطیبۃ[1] مثل ما لیھود بنی عوف

(۱۸) اور جفنہ ثعلبہ ہی کی ایک شاخ ہے اور بنی شطیبہ کے وہی حقوق ہیں جو بنی عوف کے یہود کے۔

(۱۹) وان البِرّ دون الاثم

(۱۹) اور بھلائی اور بُرائی صاف الگ الگ ہیں۔

(۲۰) وان موالی ثعلبۃ کانفسھم

(۲۰) اور ثعلبہ کے موالی بھی ایسے ہی سمجھے جائینگے جیسے خود بنی ثعلبہ

(۲۱) وان بطانۃ یھود کانفسھم

(۲۱) اور یہودیوں کے غلام، نوکر چاکر، حوالی موالی سب انہی کے حکم میں ہونگے۔

(۲۲) وانہ لا یخرج منھم احد الا باذن

(۲۲) جن لوگوں کا اوپر ذکر ہوا اُن میں سے کوئی یثرب سے

[1] ضبط اس اسم کا معلوم نہ ہو سکا۔ ابن ہشام میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کچھ لکھا ہے کہیں کچھ۔ کتاب الاموال میں یہ فقرہ

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)	باہر نہیں جائیگا مگر باجازت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
(۲۳) وانہ لا ینحجز علی ثار جرح	(۲۳) اور نہ کوئی زخم کے قصاص سے مانع آئیگا۔
(۲۴) وانہ من فتک فبنفسہ فتک و اھل بیتہ۔ الا من ظلم وان اللہ علی ابر ھذا۔	(۲۴) اور اگر کوئی کسی کو موقعہ پاکر جان سے مار دھرے تو وہ درحقیقت اپنے آپ کو اور اپنے کنبہ والوں کو مارتا ہے، مگر یہ کہ جو مارا گیا ہو پہلے اس نے ظلم کیا ہو اور خدا خود شاہد ہے کہ کون ان باتوں کو اچھی طرح پورا کرنے والا ہے
(۲۵) وان علی الیھود نفقتھم وعلی المسلمین نفقتھم۔	(۲۵) اور بالیقین یہودی اپنے مصارف کے ذمہ دار ہونگے اور مسلم اپنے خرچ کے۔
(۲۶) وان بینھم النصر علی من حارب اھل ھذہ الصحیفۃ۔	(۲۶) اور جو اس صحیفہ کے ماننے والوں سے لڑنے لگے تو یہ ایک دوسرے کی مدد کرینگے۔
(۲۷) وان بینھم النصح والنصیحۃ و البر دون الاثم	(۲۷) اور یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے خیراندیش وخیرخواہ رہینگے اور بھلائی برائی صاف الگ الگ ہیں
(۲۸) وانہ لم یأثم امرؤ بحلیفہ وان النصر للمظلوم۔	(۲۸) اور یہ کہ کوئی آدمی اپنے حلیف کی خطا پر خطاوار نہیں بنایا جائیگا۔ اور مستحق حمایت مظلوم ہے۔
(۲۹) وان الیھود ینفقون مع المومنین ما داموا محاربین	(۲۹) اور یہود مومنین کے ساتھ ساتھ خود بھی خرچ کرینگے جب تک کہ جنگ میں رہینگے۔
(۳۰) وان یثرب حرام جوفھا لاھل ھذہ الصحیفۃ۔	(۳۰) اور یثرب کا اندرون اس صحیفہ والوں کے لیے حرم ہے (پناہ ہے)
(۳۱) وان الجار کالنفس غیر مضار	(۳۱) اور پڑوسی کے حقوق ایسی ہی ہیں جیسے خود اپنے جب

ولا اثم۔

تک کہ وہ خود ضرر نہ پہنچائے اور بدی کرنے پر نہ اُتر آئے یا یہ کہ شخص اپنے پڑوسی کو اپنے ہی جیسا سمجھ نہ اُسے نقصان پہنچائے نہ کوئی بُرائی کرے۔

(۳۲) وانہ لا تجار حرمۃ الا باذن اھلھا۔

(۳۲) کسی کی بیوی کو پناہ نہ دیجائے مگر اس کے مرد کی اجازت سے۔

(۳۳) وانہ ما کان بین اھل ھذہ الصحیفۃ من حدث او اشتجار یخاف فسادہ فان مردہ الی اللہ عزوجل والی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۳۳) اس صحیفہ کے ماننے والوں میں اگر کوئی جھگڑا اٹھا ہو جائے جس سے فساد پھیلنے کا اندیشہ ہو تو اُس میں اللہ اور محمد رسول اللہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

(۳۴) وان اللہ علی اتقی ما فی ھذہ الصحیفۃ وابرّہ۔

(۳۴) اور اللہ شاہد ہے اس کا جو اس صحیفہ کی باتوں کو اچھی طرح پورا کرتا ہے۔

(۳۵) وانہ لا تجار قریش ولا من نصرھا وان بینھما النصر علی من دھم یثرب واذا دُعوا الی صلح یصالحونہ ویلبسونہ فانھم یصالحونہ وانھما اذا دعوا الی مثل ذٰلک فانہ لھم علی المومنین الا من حارب فی الدین۔

(۳۵) اور قریش اور اس کے مددگار کو پناہ نہیں دی جائیگی اور یہ لوگ ایک دوسرے کی مدد کرینگے اس کے خلاف جو یثرب پر چڑھ کر آئے اور جب یہ لوگ (غیر مسلم) صلح کی طرف بلائے جائیں تو یہ صلح کریں اور اُس کے پابند رہیں، اس لیے کہ مسلم صلح کر رہے ہیں اور جب وہ خود اسی قسم کی دعوت دیں تو اس کا ماننا ایمان والوں پر واجب ہوگا، البتہ وہ لوگ جو دین کے باب میں لڑیں اس کلیہ سے خارج ہونگے۔

(٣٦) علی کل اناس حصتهم من جانبهم الذی قبلهم

(٣٦) سارے آدمیوں پران کا اپنا حصّہ ہو(کام کا) اُسی طرف جدھر کہ وہ ہیں (یعنی لڑائی کے وقت جو لوگ جدھر مقرر کردیئے گئے ہیں اس طرف کے کام کا سر انجام ان کا کام ہے)

(٣٧) وان یهود الاوس موالیهم وانفسهم علی مثل ما لاهل هذه الصحیفة مع البر المحسن من اهل هذه الصحیفة

(٣٧) اور قبیلہ اوس کے یہود کے متعلق یہ کہ اُن کے موالی اور خود اُنکے لیے اس صحیفہ والوں کے سے حقوق ہیں مع اچھے سلوک کے اس صحیفہ والوں کی طرف سے (یعنی اس صحیفے کے ماننے والے اُنکے ساتھ وہی اچھا سلوک کرینگے جو خود اُنکے لیے مقرر ہو چکا ہے)

(٣٧) وان البر دون الاثم: لا یکسب کاسب الا علی نفسه

(٣٧) اور بھلائی بُرائی صاف الگ الگ ہیں اور کمانے والا جو کچھ کماتا ہے اپنے نفس کے لیے کماتا ہے (اچھا ہو یا بُرا)

(٣٨) وان الله علی اصدق ما فی هذه الصحیفة وابره

(٣٨) اور اللہ راضی ہے اس سے کہ جو کچھ اس صحیفہ میں ہے وہ اسکو زیادہ سے زیادہ پورا اور سچا کر دکھائے۔

(٣٩) وانه لا یحول هذا الکتاب دون ظالم واثم

(٣٩) یہ تحریر کسی ظالم و گنہگار کے لیے بچاؤ کا پٹہ نہیں ہے۔

(٤٠) وانه من خرج امن ومن قعد امن بالمدینة الا من ظلم او اثم

(٤٠) اور جو نکل جائے اور مدینہ میں بیٹھ رہے وہ امان میں ہے سوائے اس کے جس نے ظلم کیا اور بُرائی کی۔

(٤١) وان الله جار لمن بر واتقیٰ

(٤١) اور جو نیک اور متقی ہیں وہ اللہ اور اللہ کے

ومحمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جوار (پناہ) میں ہیں۔

یہ ہے وہ نامہ جس سے "متحدہ قومیت اور اسلام" میں متحدہ قومیت کے اثبات و قیام پر مذہبی حیثیت سے استدلال کیا گیا ہے۔ یہ استدلال کہاں تک قابل تسلیم ہے۔ اس باب میں دو باتیں تحقیق طلب ہیں، اول یہ کہ اصول روایت کی رو سے یہ نامہ قابل احتجاج ہے یا نہیں دوسرے یہ کہ نامہ زیر بحث کے بعض حصص سے استشہاد کر کے بعض بلکہ اکثر کو نظر انداز کر دینا کہاں تک درست ہے۔

یہ روایت "متحدہ قومیت اور اسلام" میں سیرت ابن ہشام اور ابو عبید کی کتاب "کتاب الاموال" سے لی گئی ہے لیکن ابن ہشام نے اپنی کتاب میں سرے سے روایت کی اسناد گویا لکھی ہی نہیں۔ قال ابن اسحٰق پر اکتفا کیا ہے۔ ممکن ہے ابن اسحٰق نے روایت کی اسناد لکھی ہو لیکن بہرحال وہ مجہول ہے، اور کتب سیر کی روایات کا مرتبہ معلوم۔ جب تک ان کی تصدیق کسی صحیح طریق سے نہ ہو جائے وہ عموماً ناقابل تسلیم ہیں۔ ابو عبید نے البتہ اپنے شیوخ تا بہ ابن شہاب الزہری گنوائے ہیں لیکن سلسلہ رواۃ کا اس میں بھی ناتمام ہے۔ ابن الشہاب نے بلغنی کہہ کر روایت شروع کر دی ہے۔ یہ نہیں بتایا کہ کس سے پہنچی۔ زہری کا مرتبہ حدیث میں مسلّم لیکن اس کو کیا کیجیے کہ روایت کی اسناد منقطع ہے۔ اس لیے اصول روایت کی رو سے نہ ابن ہشام کی روایت مقبول ہو سکتی ہے نہ ابن عبید کی۔ اس پر مزید یہ ہے کہ یہ روایت خواہ اسناد و متن کے لحاظ سے صحیح ہی کیوں نہ ہو عمل رسول اللہ اور کتاب اللہ دونوں سے منسوخ ہو چکی۔ اور لا کلام منسوخ ہو چکی ہے خود ابو عبید

لہ ابن ہشام اور ابو عبید کی روایات کا متن باہم بہت کچھ مختلف ہے یہ اختلاف نہ صرف لفظی ہے بلکہ کم و بیش بھی جو فقرے ابو عبید کے ہاں نہیں اور ابن ہشام کے ہاں آئے ہیں، ہم نے اُن کے اوپر خط کھینچ دیے ہیں، ابن ہشام کے ہاں بعض فقرے مکرر بھی ہیں اور بظاہر بے ضرورت مکرر ہیں۔ ترتیب بھی کہیں کہیں مختلف ہے بلکہ نامہ نامی کا آخری حصہ میرے نزدیک مضطرب بھی ہے۔ ان باتوں کی تفصیلی بحث کو ہم نے غیر ضروری اور مضمون سے غیر متعلق سمجھ کر عمداً چھوڑ دیا ہے۔

لکھتا ہے :-

وانما کان ھذا الکتاب ـ فیما نُری ـ	یعنی یہ تحریر (ہمیں ایسا خیال ہوتا ہے کہ) رسول
حدثان مقدم رسول اللہ (صلی	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں تشریف لائے
اللہ علیہ وسلم) قبل ان یظھر	کے زمانہ میں لکھوائی ہوگی، اس سے پہلے پہلے کہ
الاسلام ویقوی وقبل ان یومر	اسلام طاقت وشوکت حاصل کرے اور اہل
باخذ الجزیۃ من اھل الکتاب	کتاب سے جزیہ لیے جانے کا حکم آئے اور وہ
وکانوا ثلاث فرق : بنوالقینقاع	یعنی اہل کتاب تین فرقے تھے : بنو قینقاع ،
والنضیر وقریظۃ فاوّل فرقۃ غدرت	بنو نضیر، اور قریظہ ـ ان میں سے جس فرقہ نے
ونقضت الموادعۃ بنوالقینقاع و	سب سے پہلے غداری کی اور صلح نیما بین کو توڑا
کانوا حلفاء عبداللہ بن اُبیّ	وہ بنو قینقاع تھے، جو عبداللہ ابن ابی بن سلول
فاجلاھم رسول اللہ (صلی اللہ	کے حلیف تھے ـ رسول اللہ نے پہلے انہی کو مدینہ
علیہ وسلم) عن المدینۃ ثم بنی	سے جلا وطن کیا، اس کے بعد بنو نضیر اور
النضیر ثم القریظۃ . فکان من	قریظہ کے قتل وشامت کی باری آئی،
اجلائنا ولئاک وقتل ھؤلاء	ان کے جلا وطن اوران کے قتل کا حال ہم نے
ما قد ذکرناہ فی کتابنا ھذا .	اپنی اسی کتاب میں کسی جگہ لکھا ہے ۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو عبید کے نزدیک یہ نامہ رسول اللہ کے مدینہ تشریف لانے کے قریب ترین زمانہ میں لکھا گیا، ابن ہشام نے اس تحریر کا واقعہ "عقد مواخاۃ" سے بھی پہلے لکھا ہے اس سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا ـ شاید اسی لیے ابو عبید نے نُریٰ لکھا ہو ـ وجہ صحیح معلوم نہ ہونے کی یہ ہے کہ خود اس نامہ میں مسلم و یہود کو زمانۂ جنگ میں اپنا اپنا خرچ اُٹھانے کی ہدایت موجود ہے ۔

اور غزیت اور غازیۃ کا لفظ بھی نامہ میں آیا ہوا ہے۔ اب معاملہ دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ نامہ غزوات کی تیاری کے زمانہ میں لکھوایا گیا، یا اُس زمانہ میں جبکہ غزوات شروع ہو گئے تھے، اور یہ معلوم ہے کہ غزوات رسول اللہ کے مدینہ پہنچنے سے کوئی برس دن کے بعد شروع ہوئے۔ اگر ہم اس نامہ کو زیادہ سے زیادہ دیر سے لکھا ہوا بھی مانیں تب بھی یہ ماننا ہی پڑیگا۔ کہ وہ آیۂ قتال کے نزول سے قبل لکھوایا گیا۔ اور جونہی آیۂ قتال نازل ہوئی یہ نامہ منسوخ اور ہمیشہ کے لیے منسوخ ہو گیا[1]۔ اس لیے اب اس کی سند پر مختلف مذہب والوں سے امت واحدہ کے قیام اور اثبات پر استدلال کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

عام مسلمہ اصول کی بنا پر امۃ واحدہ کے قیام و اثبات کی بحث یہیں ختم ہو جاتی ہے اور ہو جانی چاہیے۔ لیکن اگر کوئی کہنے لگے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ آیۂ قتال قیام امۃ واحدہ کی ناسخ ہوئی۔ وہ زیادہ سے زیادہ اس صلح کی ناسخ تھی جو مسلم و یہود کے مابین قائم تھی اور بس۔ یا ہم تنزلاً تسلیم کیے لیتے ہیں کہ آیۂ قتال اس وقت امت واحدہ کے قیام کی ناسخ ہو گئی تھی، کہ اُس وقت کے حالات اس کے متقاضی تھے لیکن یہ کہاں سے لازم آیا کہ یہ نسخ دائمی تھا۔ اور یہ کہ اس وقت اگر وہی حالات پیدا ہو جائیں جن میں رسول اللہ نے امۃ واحدہ ترتیب دی تھی تو اب اس سنت پر عمل ہی نہ کیا جائے۔ یہ قول عام اصول مسلمہ کے سامنے جیسا کچھ ہے ظاہر ہے مگر میں کہتا ہوں اچھا یونہی سہی۔

---

[1] حقیقت یہ ہے کہ آیۂ قتال کے نازل ہونے سے پہلے ہی بنو قینقاع، بنو نضیر، اور قریظہ کا رسول اللہ استیصال فرما چکے تھے، جو کچھ اُن میں سے بچ رہے تھے وہ مستامن و متاجر تھے۔ آیۂ قتال کے نزول کے بعد وہ ذمیوں کے حکم میں آ گئے۔ اگر یہ قبائل اُمۃ واحدہ میں شامل تھے، جیسا کہ ابن ہشام اور ابو عبید کے بیان سے مستفاد ہوتا ہے (حالانکہ یہ بالکل غلط ہے جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کرینگے)، تو رسول اللہ نے قیام اُمۃ واحدہ کو خود اپنے عمل سے منسوخ فرما دیا۔ اور قرآن نے اس نسخ کو دائمی ٹھہرایا۔ اور اگر یہ تینوں قبائل اس نامۂ نبوی کے مطابق بنی ہوئی اُمۃ واحدہ میں شامل نہ تھے (جو امر واقعی ہے اور میں سمجھتا ہوں) تو یہ آیۂ قتال کے نازل ہونے تک وہ یہود جن کا نامہ نامی میں ذکر آیا ہے عموماً ایمان لا چکے یا قتل ہو چکے تھے۔ اگر بفرض کچھ باقی تھے تو آیۂ قتال کے نزول پر وہ خود بخود امۃ واحدہ کے بندھن سے ٹوٹ کر گر پڑے۔ اور اب وہ اُمۃ واحدہ رہی نہ وہ سُنت۔

حقائق و عبر

ہندی اور ہندو

مسلمانوں نے جب کبھی ہندی کی بیجا ترویج و اشاعت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو اسے ہمیشہ فرقہ پرستی پر محمول کیا گیا اور کانگرسی ذمہ دار حلقوں میں بڑی بلند آہنگی سے اس کی تردید ہوئی، مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اضطراب کے پیشِ نظر مولانا آزاد نے بھی اپنا گوشۂ چشمِ التفات ادھر مبذول کیا اور نہایت متانت سے فرمایا کہ کانگریس پر بے جا عصبیت اور پاسداری کا الزام صریحاً بے بنیاد ہے۔ کانگریس کے نزدیک تو ملک کی زبان وہ ہے جو عموماً شمالی ہند میں بولی جاتی ہے لیکن مولانا آزاد کے اس اعلان کے باوجود کانگرسی اکابر کی "اُردو کُش" سرگرمیاں پوری شد و مد سے جاری رہیں اور ہندی کی حمایت کے نشہ میں گاندھی جی تو یہاں تک لکھ گئے "کہ اردو قرآن کی زبان میں لکھی جاتی ہے مسلمان بادشاہوں نے اسے پھیلایا۔ مسلمان چاہیں اس کو رکھیں یا نہ رکھیں"۔ برادرانِ وطن کے قول و فعل کے تضاد نے مسلمانوں کے شبہات کو اور تقویت پہنچائی لیکن حقیقت بہت دیر تک چھپی نہیں رہتی۔ حال ہی میں جو ہندی کانفرنس بنارس میں انعقاد پذیر ہوئی ہے۔ اس کی روئداد کو سرسری طور پر دیکھنے سے یہ بات آئینہ ہو جاتی ہے "ہندی کے جنم داتا" پنڈت مدن موہن مالویہ صدر استقبالیہ کمیٹی کی تقریر کے جستہ جستہ اقتباسات کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:۔

"بنارس کا شہر علوم متعدد ہندی ادبا و شعراء کا مسکن ہے۔ ہندی کے سہرا ادب کے تابناک ستارے مثلاً تلسی، کبیر، ہریش اور پریم چند اسی سرزمین کی خاک سے اٹھے، ساہتیہ سمیلن اپنی تمام تر ذہنی اور اخلاقی قوتیں ہندی زبان اور ناگری رسم الخط کے تحفظ میں صرف کر دے گی۔

ہندی زبان ہماری مذہبی وراثت ہے، جب سے ہم نے اپنی جنم بھومی کو آزاد کرانے کی جدوجہد کا آغاز کیا ہے ہمارے اکابر ایک متحدہ زبان کی تشکیل میں کوشاں ہیں انھوں نے ہندی کا انتخاب کیا ہے جو اپنی معنوی خوبیوں کے لحاظ سے ممتاز لنگوا فرینکا ہے میرے خیال میں یہ سعی قابل ستائش ہے"۔ نیشنل ہیرلڈ ۲۰ ؍ ۹ ؍ ۴۷

یہ تو ہیں مدن موہن مالویہ جنکی کانگریس نوازی کا بہت شہرہ ہے !! اور پھر مسز وجیا لکشمی وزیر یو۔پی کا پیغام ملاحظہ فرمائیے جو کانفرنس کو ارسال کیا گیا۔

"میں مؤتمر کی کامیابی کی متمنی ہوں، ہماری قومی ترقی کے لیئے ہماری اپنی زبان اور ادبی قانونی اور علمی مقاصد کے لیئے اپنی مصطلحات نہایت ضروری ہیں۔ آپ کی مساعی کامیاب ہوں" ہندی کے لیئے "ہماری اپنی زبان" کے الفاظ۔ ایک کانگرسی وزیر کی زبان سے قابل غور ہیں۔

اجلاس میں راجن بابو صدر کانگریس، پرشوتم داس ٹنڈن سپیکر یو۔پی، مدن موہن مالویہ سابق صدر کانگریس نے شمولیت کی اور جنہوں نے مؤتمر کو اپنی دعائیں بھیجیں اُن میں گاندھی جی، جواہر لال، پنت وزیراعظم یو۔پی کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اسی ضمن میں ایک صحافتی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں حقیقی قومیت پرستی کی ترویج اور حقیقی آزادی کی بنیادوں پر ایک نئے ہندوستان کی تشکیل پر زور دیا گیا۔ اجلاس کی مفصل کارروائی انگریزی اخبار میں شائع ہوئی ہے۔ چند ایک قراردادوں کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

۱۔ تانبے اور چاندی کے سکوّں پر ناگری حروف کندہ کیئے جائیں۔

۲۔ عدالتی زبان ہندی ہونی چاہیئے تاکہ لوگ عربی اور فارسی نما اُردو کی تفہیم میں دقت محسوس نہ کریں۔

۳۔ نرندر دیو کمیٹی کی رپورٹ جس میں ہر ایک بچے کے لیئے اُردو ہندی دونوں رسم الخط میں جبری تعلیم دینے کی سفارش کی گئی ہے۔ معرض عمل میں نہ لائی جائے۔

۴۔ ہندوستانی کی اشاعت کو روکا جائے۔

اب مولانا آزاد اور دیگر مسلم نیشنلسٹ حضرات بتائیں کہ کانگرسی ارباب بست وکشاد کی ہندی زبان سے اتنی والہانہ شیفتگی کا نام ہی غیر جانبداری ہے۔

اور اسپر بھی وہ نہ سمجھے تو اس بُت سے خدا سمجھے

اہمسا بنوک شمشیر

جس طرح گاندہی جی نے آج تک یہ نہیں بتایا کہ پورنہ سوراج کے کیا معنی ہیں۔ اسی طرح اہمسا کا نظریہ بھی ایک عقدہ لاینحل بنا ہوا ہے اور اس کی ٹھیک تعریف ابھی تک نہیں ہوسکی۔ کسی کو خبر نہیں کہ یہ کیا بلا ہے۔ لیکن گاندہی جی کی چابک دستی اور صناعی ملاحظہ ہو کہ ہر مقام و محل پر اسکے نئے معنے وضع کر لیے جاتے ہیں۔ سرحد کے غیور پٹھان کے لیے اہمسا یہ ہے کہ چھ انچ کے چاقو کو بھی پتھر سے توڑ دیا جائے۔ لیکن ڈاکٹر مونجے کے لیے اہمسا کی بنیاد و اساس پونا کا ملٹری کالج ہے۔ جرمنی کے یہودی اگر اپنے دشمن کے خلاف بددعا کریں تو یہ صاف اہمسا کی خلاف ورزی سمجھی جاتی ہے۔ لیکن جب ایک "شرمیتی جی" گاندہی جی سے دریافت کرتی ہیں کہ پولینڈ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے تو جواب ملتا ہے "پولینڈ نے جس جرأت و جسارت اور خود فراموشی سے کام لیا ہے اسکے پیش نظر تاریخ اس بات کو فراموش کر دے گی کہ اسنے اپنے دفاع میں ہمسا (تشدد) کا استعمال کیا۔ یہ تشدد بھی عدم تشدد کے زمرے میں شمار ہوگا"۔ (ہری جن مورخہ $\frac{9}{39}$ ۲۳)

شمشیر و سنان کے آزادانہ استعمال پر بھی اہمسا ہمسا نہیں ہوتا۔ کس قدر مضحکہ خیز طرز استدلال ہے کیا تشدد بھی عدم تشدد شمار کیا جاسکتا ہے؟

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے!

جنگ سے پہلے بہت سی شخصیتیں نہایت حسین وجمیل پردوں میں لپٹی ہوئی تھیں لیکن محاربۂ یورپ کے آغاز پر ان نقابوں میں چھپے ہوئے چہرے ایک ایک کرکے اپنے اصلی رنگ و روپ میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوگئے اور دیکھنے والی آنکھوں نے دیکھ لیا کہ ان کے جلال جہاں تاب کی گیرائیاں کہاں تک تھیں۔ ملک کی سب سے بڑی نقاب پوش شخصیت گاندھی جی تو اس طرح عریاں ہوئی کہ چشم نظارہ حیرت میں گم ہو کر رہ گئی، جہاں یورپ میں تیغ وتفنگ کا مشغلہ جاری تھا وہاں ہندوستان کی بساطِ سیاست پر شاطرانہ چالیں چلی جانے لگیں۔ وائسرائے بہادر نے گاندھی جی کو شرف باریابی بخشا۔ درون خانہ ملاقات ہوئی، پردگیان راز میں باتیں ہوئیں۔ اور دیر تک محفل ناز ونیاز گرم رہی، مہاتما نے وائسرائے بہادر کو بڑی بلند آہنگی سے اپنے غیر مشروط تعاون کا یقین دلایا۔ لندن کی تباہی کا ذکر سنکر رگِ مہاتمائیت پھڑک اٹھی اور آپ پر فرطِ غم کے باعث بیہوشی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ جب "یہ دام ہمرنگ زمین" بچھا کر آپ وائسریگل لاج سے نکلے تو باہر کی دنیا سے یہ کہا کہ بنی نوع انسان کی ہمدردی کا تقاضا ہے کہ ہم انگریز کی غیر مشروط امداد کریں کیونکہ وہ اسوقت استبداد وجبر کے خلاف برسرپیکار ہے۔ اور چونکہ ہم بھی آزادی خواہ ٹھہرے اسلیے ہم کو بھی چاہیے کہ آمریت کے مقابلے میں جمہوریت پرست محاذ کی حمایت کریں۔ ازاں بعد کانگرس کی مجلس عاملہ کی قرارداد جنگ پر اظہار رائے کرتے ہوئے اس غیر مشروط امداد کی شان یکتائی کو یوں قائم رکھا کہ:۔

"میں یہ دیکھ کر ازحد متاسف ہوا کہ مجلس عاملہ میں صرف میں ہی ایک ایسا شخص تھا جسکا یہ خیال تھا کہ برطانیہ کو جس نوعیت کی بھی امداد دی جائے وہ غیر مشروط ہو۔" (ہریجن ۹/۹ ۳۹ ۲۳)

اسکے بعد حالات نے کروٹ لی۔ جناب وائسرائے کا اعلان ہوا۔ دنیا کیا دیکھتی ہے کہ وہی مہاتما جی جنھیں وائسرائے بہادر کی بارگاہِ ناز میں لندن کی تباہی کے تصور سے غش آگیا تھا طوطے کی طرح آنکھیں بدل کے بیان شائع کررہے ہیں کہ ارے یہ کیا؟ گاندھی جی نے جو بیان سپرد قلم کیا اس میں انتہائی کرب واضطراب کی حالت میں لکھتے ہیں کہ:۔

"وائسرائے کا اعلان غیر معمولی طور پر یاس آگیں ہے۔ اس سے تو بہتر یہ تھا کہ گورنمنٹ سرے

سے کوئی بیان شائع نہیں کرتی۔ افسوس گورنمنٹ نے (Divide & Rule) پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی پر عمل کیا۔ میرے خیال میں کانگرس ہٹلر کے خلاف جنگ میں حصہ نہ لے گی۔ جمہوریت کا مستقبل ہندوستان میں امید افزا نہیں"۔ (اسٹیٹس مین ۲۶ پا)

اسقدر "تبدیلی قلب" کس امر کی آئینہ دار ہے۔ ابھی ابھی غیر مشروط موالات کی پیش کش جاری تھی اور جمہوریت کے تحفظ کے بلند بانگ دعاوی پیش نظر تھے۔ لیکن یک لخت حالات پلٹے اور جمہوریت کی ناکامی کا ماتم شروع ہوگیا۔ اور صاف صاف اظہار کیا گیا کہ اگر انگریز غیر مشروط طور پر اقلیتوں کے مفاد کو ہمارے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں تو اسے ہماری امداد کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔ گاندھی جی کو نہ سمجھنے والے شاید حیران ہوں کہ یہ کیا اضدادِ بیان ہے لیکن رازِ درون پردہ کے محرم جانتے ہیں کہ یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ گاندھی جی کی ساری زندگی پر نظر ڈالیے قلب و زبان کی ہم آہنگی اس سچائی کے اوتار میں آپ کو کہیں نہیں ملے گی۔

حُبِ علی نہیں بُغض معاویہ

مسلمان تو پہلے دن سے یہ کہتے ہیں کہ ہندو کو نہ تو آزادی کامل کا حصول منظور ہے نہ ہی وہ جذباتِ حریت کا شائبہ بھی اپنے قلب کی گہرائیوں میں رکھتا ہے۔ وہ تو صرف اتنا چاہتا ہے کہ انگریز کی سنگینوں کی حفاظت میں اقلیتوں پر حکومت کرے۔ چنانچہ ہم نے شروع ہی سے بھانپ لیا تھا اور طلوعِ اسلام کے پہلے پرچہ میں کانگرسیوں کی بوالعجبیوں کو زیر بحث لاتے ہوئے یہ تحریر کیا تھا کہ

"ہندی سیاست کی لغت میں عدم تشدد کی تعریف یہ لکھی ہے کہ گائے کے سینگ تو انگریز پکڑے اور اسکا دودھ ہندو دوہتے رہیں تاکہ پاپ کے ذمہ دار دوسرے لوگ ٹھہریں اور اسکا منافع یہ حضرات اٹھاتے رہیں۔ جس طرح گئو ہتیا کے مجرم تو بیچارے چمار ہوتے ہیں اور چمڑے کی تجارت کے مالک بھلے اور بالوجے کہ جن کے آسرے گئو رکشا سبھائیں چلتی ہیں"۔ (طلوعِ اسلام مئی ۱۹۳۸ء)

حقیقت بہت دیر تک چھپی نہیں رہتی۔ آخر ایک دن یہ بات بے نقاب ہو کر رہی اور سب کچھ عریاں ہو کر سامنے آ گیا۔ جنگِ عمومی کے آغاز پر کانگرس نے شور مچایا کہ وہ جمہوریت کی علمبردار ہے اسلیئے وہ صرف جمہوری حکومتوں کا ساتھ دے گی لیکن بھائی پرمانند نے صاف صاف کہہ دیا کہ بھائی! انگریز کی حمایت نہ جمہوریت کے لیئے ضروری ہے نہ آزادی کی خاطر اس سے مقصد کچھ اور ہے فرماتے ہیں:۔

"صرف ایک سمت جس سے ہندوستان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے وہ شمال مغربی سرحد ہے۔ اس طرف سے حملہ کی صورت میں ہندو خطرناک صورت حالات سے دوچار ہو جائینگے، خواہ ملک میں کتنے ہی نظریئے ہوں۔ بہرحال ہندوؤں کو ملک کے دفاع کے لیئے ہمہ تن تیار ہو جانا چاہیئے" (اسٹیٹس مین ۹/۹ ۳۰)

بھائی جی کی فطرت کی روباہی کو جانے دیجئے، مہاسبھا کا یہ ناقوس مہانمائیت کا چولہ زیب تن کرنا پسند نہیں کرتا۔ سمجھنے والوں نے سمجھا کہ بھائی جی نے ۲۴ کروڑ ہندوؤں کی صحیح ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے، لیکن کانگرس یہی کہتی رہی کہ نا صاحب! ہم تو جمہوریت نواز ہیں، انگریز کی مدد محض "دھرم کا کام" سمجھ کر کر رہے ہیں لیکن دجل و فریب کے ملمع کے لیئے صرف ایک تاؤ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اصلیت بہت دیر تک چھپ نہیں سکتی، وائسرائے کا بیان شائع ہوا جس میں مسلم لیگ کی طاقت کا اعتراف اور اسکے نمائندگی کے دعوے کی تائید کی گئی تھی۔ گاندھی جی نے یہ بیان پڑھ کر از حد پیچ و تاب کھایا اور انتہائی غم و غصہ کی حالت میں اظہار فکر و بیان پر قابو نہ رہا۔ بہت سی نہ کہنے والی باتیں بھی کہہ گئے جو ان کے اندرونی جذبات و حسیات کی غمازی کر رہی ہیں اور انکے بیان میں حقیقت حال کی جھلکیاں ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"تھوڑی دیر کے لیئے غور کیجئے کہ اگر انگریز اچانک ملک کو خالی کر دیں تو کیا ظہور پذیر ہو گا۔ اگر ملک میں حکومت کرنے کے لیئے کوئی بیرونی غاصب موجود نہ ہو تو اس بات سے انکار مشکل ہے کہ پنجابی خواہ وہ مسلمان ہو یا سکھ ہندوستان کو اپنی جولانگاہ بنالے گا۔ یہ ایک فیشن سا

ہوگیاہے کہ ہندوؤں کو اکثریتی قوم کہا جائے۔ لیکن ہندومت ایک غیر معین اور جامد چیز ہے۔ اور نہ ہی ہندو کسی متجانس کل سے متعلق ہیں۔ جیسے مسلمان اور عیسائی۔ ہم نے ملک میں جمہوریت کا ڈھونگ رچا رکھا ہے تو وہ صرف انگریز کی سنگینوں کی امداد پر منحصر ہے۔ پس اگر کسی کو ضرورت ہے کہ انگریز ملک میں طاقتور عنصر کی دستبرد سے بچانے کے لیئے رہیں تو وہ کانگرسی ہندو اور دیگر لوگ ہیں جن کی نمائندگی کا کانگریس کو دعویٰ ہے"۔

(اسٹیٹس مین ۱۰/۹/۳۲)

لیجیے! جمہوریت اور آزادی کی خاطر انگریز کی مدد کرنے کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ وائسرائے کے حضور آنسوؤں کی جھڑی کیوں بندھی تھی۔ اور غش کس لئے آیا تھا۔ وہی بات جو بھائی پرمانند نے شروع میں کہہ دی۔ گاندھی جی کو اخیر میں کہنی پڑی ہے دونوں میں ذرا بھی فرق!

اِس بیان میں دو باتیں اور بھی قابل غور ہیں۔ کہا گیا ہے کہ انگریز کے ملک سے چلے جانے پر ایک تو خطرہ ہندوؤں کو ہے۔ اور دوسرے ان غیر ہندوؤں کو جن کی نمائندگی کانگرس کرتی ہے' آپ نے غور فرمایا کہ یہ دوسرے لوگ کون سے ہیں جن کی نمائندگی کانگرس کرتی ہے اور جنہیں انگریز کے بعد مسلمانوں کی طرف سے خطرہ ہے! یہ ہیں آپ کے مسلم نیشنلسٹ حضرات!! وہ لوگ جنکے متعلق خود گاندھی جی کو بھی اعتراف ہے۔ کہ مسلمان انہیں اپنے میں سے نہیں سمجھتے۔ اور بات ہے بھی ٹھیک۔ جو جِنسے دوستی رکھے گا۔ قرآن کریم کے فیصلہ کے مطابق وہ انہی میں سے ہو جائے گا۔ پوچھیے مولانا آزاد سے کہ یہ فیصلہ اُس قرآن کریم میں ہے یا نہیں جو دورِ قومیت پرستی سے پیشتر انکا خضرِ راہ ہوا کرتا تھا۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ گاندھی جی نے خود اعتراف کیا ہے کہ ہندو کسی متجانس (Homogeneous) جماعت کا نام نہیں' اسکے برعکس مسلمان رشتۂ مذہب میں منسلک ہونے کی بنا پر ایک متجانس جماعت ہیں۔ اب اُن سے پوچھیے کہ "قوم" کہلانے کا حق ہندوؤں کو ہے' یا مسلمانوں کو۔ گاندھی جی نے اس حقیقت کا آج اعتراف کیا۔ لیکن وہ مردِ مومن جسے اللہ نے فراستِ قرآنی کے نور سے نوازا تھا۔ بہت پہلے اعلان

کر چکا تھا کہ " قوم کہلانے کا حق صرف مسلمانوں کو ہے ۔ یہی ایک متجانس جماعت ہے ۔ ہندو متجانس جماعت نہیں اسلئے قوم نہیں کہلا سکتی "۔ (حضرتِ علامہ اقبالؒ)

ہندو کی ملی بھگت

کانگریس کو بزعمِ خویش یہ دعویٰ ہے کہ وہ تمام ملک کی واحد نمائندہ جماعت ہے اسکے برعکس مسلم لیگ نے ہمیشہ اِس حقیقت کا اعلان کیا کہ مسلمان بجائے خویش ایک قوم ہیں ۔ اِسلئے اُن کی نمائندگی کا حق مسلمانوں کی خالص غیر مخلوط جماعت ہی کو حاصل ہو سکتا ہے ۔ مگر کانگریس اپنی قوت کے نشہ میں بدمست مسلم لیگ کے مطالبات کو ٹھکراتے ہوئے اپنی واحد اجارہ داری کا ڈھول پیٹتی رہی ۔ چنانچہ حال ہی میں گاندھی جی نے ایک بیان پریس میں شائع کرایا جسکے دوران میں کہا کہ :-

"کانگریس ایک ہمہ گیر جماعت ہے" اور اسکے متعلق بلا کسی شک و شبہ کے کہا جا سکتا ہے کہ وہ بغیر کسی تمیز مذہب و ملت ہندوستان کے عوام کی نمائندگی کر رہی ہے "۔ (ہری جن ۹/۳۹)

اسکے تھوڑے ہی دنوں کے بعد والسرائے صاحب نے گاندھی جی کو ہندوؤں کے کرتا دھرتا کی حیثیت سے بہرِ مذاکرہ طلب کیا ۔ اور اسکے ساتھ ہی مسٹر جناح صدر مسلم لیگ کو دعوت نامہ ارسال کیا گیا ۔ نمائندہ لیگ نے مسلمانوں کے زاویۂ نگاہ کو پوری جسارت اور ہوشمندی سے پیش کیا اور ہر ایک کو اعتراف کرتے ہی بنی کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحدہ نمائندہ جماعت ہے ، انیگلو انڈین پریس کے رویہ میں بھی نمایاں تبدیلی رونما ہوئی ۔ چنانچہ اسٹیٹس مین نے ایک لیڈر سپرد قلم کیا جس میں اسنے لکھا :-

"کانگرس تو انگریزوں کی آغوشِ حفظ و صیانت میں طاقتور ہے ۔ مسلم لیگ بجائے خود ایک مضبوط آرگنائزیشن ہے ۔ کیونکہ آج کل مؤثر جماعتیں صرف وہ ہیں جو فوجی اقوام سے تعلق رکھتی ہیں ۔ اور ملک کی حفاظت کے لئے سربکف ہیں "۔ (۲۰-۱/۹/۳۹)

والسرائے صاحب کے اس طرزِ عمل اور انگریزوں کے قلوب کی ترجمانی کرنے والے اخبارات کے رجحانات سے گاندھی جی نے خود محسوس کیا کہ اب کدہر کی ہوا ہے ۔ چنانچہ انھوں نے جھٹ ایک

شوخ رنگ کا چولا بدلا اور نہایت ناصحانہ اور مشفقانہ انداز میں فرمانے لگے کہ بعض ناعاقبت اندیش کانگریسیوں کے رویے سے ازحد قلبی اذیت پہنچی ہے اور میرے ہردے کو بڑا رنج ہوا ہے مسٹر جناح دیش دروہی اور پوجیہ پاد ہیں جہاں وہ ملیں ان کو پرنام کرو۔ عقل و فہم ورطۂ حیرت میں گم ہیں کہ خدایا یہ کون سی شانِ مہاتمائیت ہے کہ کل تک جو شخص غیر ذمہ دار فرقہ پرست ٹوڈی اور کاسہ لیسان ازلی میں سے تھا۔ آج رئیس الاحرار بنگیا گاندھی جی کے نہانخانۂ دماغ کے شعلہ فکر کی تابندگی ملاحظہ فرمائیے :۔

"مسلم لیگ ایک عظیم المرتبت آرگنائزیشن ہے اسکا صدر ایک وقت میں کانگرس کا پرجوش حامی تھا۔ اور جس سے ہماری بہترین امیدیں وابستہ تھیں اس کی لارڈ ولنگٹن سے معرکہ آرائیاں کبھی نظرانداز نہیں ہوسکتیں کانگرسی افراد اور اخبارات کو مستلزم ہے کہ وہ لیگ کے خلاف ناشائستہ اور ناخوشگوار تنقید نہ کریں میری زندگی کا مطمح نظر یہ ہے کہ میں ہندو مسلم کو عدم تشدد سکھاؤں، یہاں تک کہ میں ہندوؤں و مسلمانوں کو ایام خلافت کے..... علی برادران کی طرح رشتۂ اخوت میں منسلک کردوں جنہوں نے یہ کہا تھا "ہمارے ہندو بھائی ہمیں ٹکڑے ٹکڑے کردیں۔ ہم پھر بھی ان سے محبت کریں گے کیونکہ وہ ہمارے ہموطن ہیں"۔

(ہری جن $\frac{10}{39}$ ۷)

آپ سمجھے کہ اب لیگ بہت بڑی منظم جماعت اور جناب جناح کیوں اسقدر واجب التعظیم ہیں ابھی ہے ؎

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

الکفر ملۃ واحدۃ

گاندھی جی اور مسٹر بوس کے سیاسی مسلک میں جو بعد المشرقین ہے وہ ہمارے تبصرہ کا محتاج نہیں ہے لیکن ہم نے آغاز ہی میں اس بات پر صراحت سے روشنی ڈالی تھی کہ خواہ ہند میں باہمی کتنے

اختلاف ۔ سرپھٹول اور جھگڑا ہو لیکن زادۂ توحید کے مفاد و مصالح کے خلاف ایک ہی صف میں سرگرم پیکار نظر آئینگے ۔ گاندھی جی نے حال ہی میں جب لارڈ لوتھین وزیر ہند کی تقریر کے جواب میں کہا کہ کانگریس ملک کی ہمہ گیر جماعت ہے ۔ اور جملہ اقوام و جماعات کی صحیح نمائندگی کا دعویٰ وہی کر سکتی ہے، تو مسٹر بوس نے گاندھی جی سے شدید اختلاف رکھنے کے باوجود اس بیان کی تائید میں پوری ہم آہنگی کا اظہار کیا وہ اس قابل ہے کہ اسے فکر و نظر کا موضوع بنایا جائے، لکھتے ہیں :-

"ہم مسلم لیگ کے دعوے کی پرزور تائید کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلم قوم کی واحد نمائندہ ہے ہمیں گاندھی جی سے کامل اتفاق ہے کہ کانگریس ایک ہمہ گیر جماعت ہے جو بغیر کسی تمیز مذہب و ملت ہندوستانی عوام کی نمائندگی کر رہی ہے ۔ ہمارا یقین ہے کہ مسلم عوام قلب سلیم رکھتے ہیں وہ فرقہ پرست لیڈروں کے علیحدگی کے رجحانات سے متاثر نہیں ہونگے ۔"

(فارورڈ بلاک $\frac{9}{39}$ ۳۰)

ایک طرف ہندوؤں کی یہ روش ملاحظہ کیجئے کہ گھر میں لاکھ اختلاف ہوں مسلمانوں کی مخالفت میں سب ایک ہو جاتے ہیں لیکن دوسری طرف مسلمان قومیت پرست حضرات کا طرزِ عمل دیکھئے کہ خود مسلمانوں کی مخالفت میں وہ سب سے پیش پیش ہوتے ہیں ؎

دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیح شیخ !
بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ